مولانا عبدالرؤف خان رحمانی جھنڈانگری

مصنفہ

مولانا عبدالرؤف خان رحمانی جھنڈانگری

تقسیم بلا قیمت

ندوۃ المحدثین ۔ گوجرانوالہ، پاکستان

العلم والعلماء

طلب علم کا ماضی و حال

طلب علم کے سلسلے میں علمائے سلف کی جدوجہد کے
دل گداز تذکروں، عبرت انگیز قصوں اور بصیرت افروز نمونوں کا

دلکش مرقع

تالیف

(مولانا) عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری

ندوۃ المحدثین گوجرانوالہ

سلسلہ ندوۃ المحدثین

۴

نام کتاب	العلم والعلماء
نام مصنف	مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری
صفحات	۷۲
طبع اول	امرتسر ۱۹۴۵ء
طبع دوم	دہلی ۱۹۵۵ء
طبع سوم	دہلی ۱۹۷۷ء
طبع چہارم	(ندوۃ المحدثین) ۱۹۸۲ء
تعداد اشاعت	پانچ ہزار (۵۰۰۰)

تقسیم بلا قیمت

باہتمام: ضیاء اللہ کھوکھر ۱۳ اسلام آباد گوجرانوالہ

فہرست مضامین

تمت

تعارف

"العلم والعلماء" حضرت مولانا عبدالرؤف خان رحمانی جھنڈانگری کی اوّلین تصانیف میں سے ہے۔ یہ ان مقالات پر مشتمل ہے جو ۱۹۳۳ء اور ۱۹۳۹ء میں پندرہ روزہ "محمدی" دہلی میں نکلتے رہے۔ ۱۹۴۵ء میں ثنائی برقی پریس امرتسر سے "تذکرہ اسلاف کرام" کے نام سے پہلی مرتبہ اشاعت پذیر ہوئی۔ ۱۹۵۵ء میں دہلی سے دوبارہ شائع ہوئی۔ ۱۹۵۸ء میں مولانا نے "العلم والعلماء" کا نام تجویز فرما کر دلی سے شائع کی۔ مولانا کا اسلوب بیان انتہائی سادہ اور دلنشین ہے۔ طرز تحریر پر کشش اور رواں ہے۔ تحریر میں اختصار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ تاہم جلی سرخیوں اور عنوانات کے معاملے میں بیحد فیاض واقع ہوئے ہیں۔ عام طور پر غیر معمولی طویل عنوانات قائم کرتے ہیں۔ جس سے نفس مضمون بخوبی ابھر کر سامنے آجاتا ہے۔ ۱۹۷۷ء میں ہمارے فاضل دوست مولانا عبدالعلیم ماہر نے عنوانات اس حد تک مختصر کر دیئے کہ کتاب کی معنویت اور افادیت متاثر نہ ہو۔ فاضل مصنف نے انتہائی گرانقدر اور وافر مواد مختصر سی کتاب میں یکجا کر دیا ہے۔ حضرت نے طالب علم کے سلسلے میں علمائے سلف کی کاوشوں کا تذکرہ اس دل نواز اور دلچسپ انداز کے ساتھ کیا ہے کہ قاری کے ذہن میں لگن، محنت اور جدوجہد کے جذبات موجزن ہو جاتے ہیں۔ کتاب اس قدر دلآویز اور دلچسپ ہے کہ مکمل کئے بغیر ہاتھ سے نہیں چھوٹتی۔ عصر حاضر کے طلباء میں مطالعہ کا فقدان دن بدن فروغ پذیر ہو رہا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ ہمارے طلباء کے لئے ازحد مفید اور دوررس نتائج کا حامل رہے گا۔ علمائے کرام بھی حسب استعداد استفادہ فرما سکتے ہیں۔

حضرت مولانا بسیار نویس ہیں اور بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں۔ پچیس کتابیں شائع ہو کر مقبولِ عام ہو چکی ہیں اس کے علاوہ مولانا کے لاتعداد علمی اور تحقیقی جواہر پارے مختلف رسائل و اخبارات میں بکھرے پڑے ہیں۔ مولانا کے مقالات "اہلحدیث" امرتسر، "محدث" دہلی "ترجمان" دہلی، "اہلحدیث" دلی "اہلحدیث گزٹ" دہلی، "الہدیٰ" دربھنگہ "مسلم" سری نگر، "مصباح" بستی، "تنظیم اہلحدیث" روپڑ، "الاعتصام" لاہور، "الارشاد جدید" کراچی "المؤتمر" کراچی، "صدق" لکھنؤ، "دارالعلوم" دیوبند، "الصدیق" ملتان اور "حقیقت اسلام" لاہور اور دیگر رسائل میں شائع ہوتے

رہے ہیں۔

بلند پایہ مصنف اور قلمکار ہونے کے ساتھ ساتھ مولانا قادر الکلام اور منفرد خطیب و مقرر ہیں۔ اہل حدیث کانفرنس منو ناتھ بھنجن ۱۹۴۴ء میں مولانا نے "علوم عربیہ و علم دین" کے موضوع پر مقالہ پیش کیا، جسے مولانا ابوسعید شرف الدین محدث، پرنسپل خواجہ عبدالحئی (جامعہ ملیہ) اور مولانا اسلم جیراجپوری اور دوسرے اہل علم نے بے حد پسند کیا اور برسر اجلاس تعریف و تحسین سے نوازا۔ یہ علمی مقالہ "الاعتصام" لاہور اور "صدق" لکھنؤ میں شائع ہو چکا ہے۔

تحریر و تقریر کے علاوہ تعلیم و تدریس کا میدان آپ کی سرگرمیوں کا مرکز و محور ہے۔ مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر کو نیپال کا سب سے بڑا اسلامی تعلیمی مرکز ہونے کا اعزاز حاصل ہے جو مولانا کے انتظام و انصرام میں تعلیمی و تبلیغی سرگرمیوں میں مصروفِ عمل ہے۔ مولانا کی انتھک اور پیہم تبلیغی کوششوں کی بدولت ہزاروں غیر مسلم، حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔

مولانا نے اپنی تصانیف اس خواہش کے ساتھ ارسال فرمائیں کہ ان کی اشاعت کا اہتمام پاکستان میں بھی کر دیا جائے۔ ندوۃ المحدثین کو "العلم والعلماء" کی اشاعت کا اعزاز حاصل ہو رہا ہے۔ جلد ہی مولانا کی معرکۃ الآراء تحقیقی تصنیف ــــــ "نصرۃ الباری" ــــــ قارئین کے ہاتھوں میں پہنچا دی جائے گی۔ یہ وہی کتاب ہے جس پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل السلفی ہمیشہ رطب اللسان رہا کیے۔

ضیاء اللہ کھوکھر

العلم والعلماء = اہلِ علم کی نظر میں

ماہنامہ "رحیق" لاہور

اللہ تعالیٰ مولانا عبدالرؤف صاحب کو جزا عطا کرے جو اپنی وسعت مطالعہ سے اللہ کے بندوں کو مستفید فرمانے کا جذبہ صادق رکھتے ہیں۔ رسالہ العلم والعلماء اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں علم علماء سے متعلقہ موضوع پر تقریباً ستر کتابوں میں بکھرے ہوئے موتی جمع کر دیئے ہیں جو بہت قیمتی ہیں بمقصد سامنے یہ رکھا ہے کہ کسی طرح لوگوں میں علوم عربیہ کا شوق پیدا ہو پھر اس لئے ہر طرح کا مواد اکٹھا کرنے کی کوشش کی ہے جو بصیرت افروز ہے چند جزوی تسامحات سے قطع نظر رسالہ قابلِ قدر ہے۔ طلبائے علوم عربیہ کے خصوصاً مطالعہ کے لائق ہے۔ (رحیق لاہور۔ فروری ۱۹۵۹ء)

ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور

ماضی میں ہمارے طالب علم کیسے تھے۔ ان کے سامنے کیا اغراض ومقاصد تھے۔ بالخصوص حدیث رسول کے سلسلہ میں انہوں نے مال ومحنت کس طرح بے دریغ خرچ کیا۔ اس راہ میں ان کے اخلاص وشفقت کا کیا عالم تھا۔

اور اسی طرح اگر یہ دیکھنا ہو کہ اختلاف رائے کے باوجود علمائے سلف ایک دوسرے کا احترام کس قدر ملحوظ رکھا کرتے تھے! وقت کی حکمران پارٹی ان کے ساتھ کس طرح پیش آیا کرتی

تھی تو مندرجہ بالا کتاب کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔ اس میں ان طلباء و علماء کے لئے بہت کچھ سامان بصیرت و درس عبرت ہے جو طلب علم میں ننگ طلب بھی ہیں اور ننگ علم بھی۔

(الاعتصام لاہور، ۹ جنوری ۱۹۵۹ء)

ہفت روزہ "الہدیٰ" دربھنگہ

مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی نے جماعت کے اصحاب قلم میں اپنا ایک مقام بنالیا ہے آپ کے مضامین اخبارات و رسائل میں اتنی کثرت سے شائع ہوتے ہیں کہ اب آپ جماعت اہل حدیث و ہند و پاک کے دوسرے لوگوں کے لئے غیر معروف نہیں رہے۔ اس لئے ہمیں آپ کی تصنیفات پر کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ زیر نظر کتاب میں مولانا نے بڑی کاوش و جگر سوزی سے اعاظم فن اور رجال علم و فضیلت کے حالات، تحصیل علم پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ فضل و کمال تک پہنچنے میں کتنی خود فراموشی و محنت و سعی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مولانا کی کتاب محصلین علم کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا مطالعہ یہ بتائے گا کہ علم و فضل کی تحصیل میں کتنی کاوش و محنت کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

(ہفت روزہ الہدیٰ دربھنگہ بہار۔ ۹ جنوری ۱۹۵۹ء)

سہ روزہ "منہاج" لاہور

زیر نظر کتاب "العلم والعلماء" بھی مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی کی کاوش فکر کا نتیجہ ہے۔ اس میں یہ وضاحت فرمائی گئی ہے کہ علمائے سلف نے طلب علم کی جدوجہد میں کیا کیا تکلیفیں اٹھائیں اور اس سلسلہ میں انہیں کن کن مشکلات و موانع سے گزرنا پڑا۔ یہ تذکرہ دلگداز بھی ہے اور دلآویز بھی، اس میں مقابلہ کرکے بتایا گیا ہے کہ آج کل کے طالب علم اس باب میں کس قدر بے التفاتیوں کا مظاہرہ کرتے ہیں اور علمائے سلف کے مقابلہ میں ان کی کوششوں کا ماحصل کتنی عبرتناکیوں کا ندامت آمیز مرقع ہے۔

کتاب میں بعض نہایت عمدہ واقعات درج کرکے سلف کے شوق علم اور ذوق تحقیق کا

بڑا دلنشین نقشہ کھینچا ہے۔ بعض مسلمان بادشاہوں اور عمال حکومت کی علم نوازیوں اور علم دوستیوں کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مواقع کی مناسبت سے بعض غیر مسلم اہل علم کے واقعات بھی درج کئے گئے ہیں۔ بہرحال کتاب قابل مطالعہ ہے۔ ہمارے علماء، وطلباء، اساتذہ ومدارس کے ارباب اہتمام کو اس کے مندرجات سے بالخصوص فائدہ اٹھانا چاہیئے، اس کے مطالعہ سے ان کے سامنے فکر وکاوش کی بہت سی نئی راہیں کھلیں گی۔

(سہ روزہ "منہاج" لاہور، ۵ اپریل ۱۹۵۹ء)

ماہنامہ "دارالعلوم" دیوبند

مؤلف نے پہلے تذکرۂ اسلاف کے عنوان سے ایک سلسلہ مضامین بعض اخبارات ورسائل میں شروع کیا تھا اب وہ مہذب ہوکر العلم والعلماء کے نام سے باصرہ نواز ہوا ہے۔ اس دور میں جب کہ مطالعہ وکتب بینی کا عام قحط ہے۔ بالخصوص علمی اور دینی کتابوں کا ذوق ختم ہوتا جا رہا ہے۔ نوجوان علماء باہمی جھگڑوں اور ملکی سیاست کے گورکھ دھندوں میں پھنستے جا رہے ہیں اور عموماً معلومات کا مدار سنی سنائی باتوں پر ہوتا جا رہا ہے۔ ایسے رسالہ کی ضرورت تھی جو علماء وطلباء میں ترغیب کا جذبہ ابھار سکے۔ مؤلف شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے یہ رسالہ اس وقت لکھ کر شائع کیا۔ اس موضوع پر اردو میں گو اور رسالے بھی ہیں مگر اس سلسلے میں جس قدر بھی کام ہو مفید ہی ہے۔

اس رسالہ میں احترام اساتذہ، ذوقِ علم ومطالعہ، ذوق ضبط وحفظ، طلب علم میں مشقیں، علم اور معاش اور اس طرح کے دوسرے مفید عنوانات پر علمائے سلف کے واقعات حوالہ کے ساتھ درج کئے گئے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی ان باتوں کا اثر قبول ہی نہ کرتا ہو اور اسے حصول علم کا کوئی ذوق ہی نہ ہو، لیکن اگر کسی درجہ میں علمی شعور اور ذوق باقی ہے، تو انشاءاللہ یہ رسالہ اس کے ذوق وشوق کے تیز کرنے میں مہمیز کا کام کرے گا۔ (دارالعلوم دیوبند، مارچ ۱۹۵۹ء)

طلبائے عربیہ سے خطاب

بدلی زمانے کی ہوا ایسا تغیّر ہو گیا
تھے جو گراں قیمت کبھی اب ہیں متاعِ کس مخر

اہلِ زمانہ کی نظر میں اگرچہ عربی علم بہت معیوب ہے۔ کیونکہ فی زمانہ علمِ عربی کو پیشہ وفن کے اعتبار سے غیر مفید[1] سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے ان کی ناقدری عموماً جس طرح کی جاتی ہے وہ نہایت درجہ رذالت آمیز ہے۔ اصل یہ ہے کہ ایک علم لوز ہے۔ جس طرح علم لوز ایک غیر محسوس چیز کا نام ہے اسی طرح علم بھی غیر محسوس ہے اور اس کا حال اور پیشوں سے بالکل مختلف ہے، کیونکہ بآسانی علم کا کیف وکم نہیں معلوم کیا جا سکتا۔ برخلاف اوصاف کے۔ مثلاً شجاعت کو دیکھئے کہ وہ اپنی محسوس علامت سے آسانی سے ظاہر ہو جاتی ہے صنعت اپنی آثار ونتائج سے ظاہر ہو سکتی ہے لیکن علم ایک روحانی چیز ہے۔ اس پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے۔ اس کا انکار کیا جا سکتا ہے اور نالائق لوگ بہ تصنع علماء کے گروہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ایسا پیشہ جو عام نگاہوں سے مخفی ہو جس کا انکار کیا جا سکتا ہو جسے ملمع سازی سے لوگ کرتے ہوں اس کا رواج ہو تو کیونکر ہو۔ اسی واسطے علماء نے اپنی ناقدری اور گمنامی کی بابت یہ شعر کہا ہے ؎

---

[1] صورت حال اب یکسر بدل چکی ہے۔ وہ زمانہ لد گیا جب عربی زبان کی اہمیت و افادیت محل نظر تھی اب تو مسلم ہی نہیں غیر مسلم بھی عربی زبان سیکھنے کی، اور اس میں کمال حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کیونکہ عربوں کی دولت نے عربی زبان کو سیاسی اور اقتصادی میدان میں اعلیٰ مقام پر فائز کر دیا ہے۔ (عبدالعلیم ماہر)

لیس الخمول بعارٍ علی امرءٍ ذی جلال
فلیلۃ القدر تخفی وتلک خیر اللیالی

(ایک عالم بلند رتبہ کے لئے گمنامی کوئی عار نہیں ہے، دیکھو شب قدر مخفی رہتی ہے حالانکہ تمام راتوں میں وہی بہتر رات ہے۔)

اسی طرح دو شعر دُرر کامنہ جلد اوّل صـ ۷۶ امیں ہے سہ

ما علی العالم المھذب عارٌ ان غدا خاملاً وذو الجھل سامی
فاللباب الشھی بالقشر خافٍ ومصون الثمار تحت الکمام

یعنی جاہل کی شہرت اور عالم کی گمنامی کوئی عیب و شرم کی بات نہیں ہے۔
مغز پوشیدہ ہے چھلکا ظاہر ہے۔ پھل اندر چھپے ہیں اور غلاف اوپر ہے۔

لیکن یہ واقعہ ہے کہ علم اپنے آغاز شباب میں، یعنی بنو امیہ اور خلفائے راشدین کے مبارک دور بلکہ خود خلافت راشدہ کے دور میں سیاسی علمی، تمدنی ترقی کو لئے ہوئے پروان چڑھا مختلف علوم و فنون کے تراجم اسی عہد میں ہوئے، جوں جوں مذہبی علمی طاقت کمزور ہوتی گئی علم و علماء کی قدر دانی کم ہوتی گئی اور باصول ہر کمالے را زوالے "تاتاریوں کے سیلاب میں علوم و فنون غرق آب ہو گئے اور اس سے اس کا وہ اگلا چرچہ بند ہوا اور ان کا گویا خاتمہ ہو گیا۔ اہل زمانہ کے نزدیک علم عربی ایک ذلیل اور بے کار چیز ہو کر رہ گئی۔ چنانچہ دلائل الاعجاز میں شیخ عبدالقادر جرجانی لکھتے ہیں کہ اب ایک ایسا زمانہ آیا ہے کہ جس میں انسانی طبیعتیں بدل گئیں اور علم و فضل کا درجہ جاہل و لاعلمی نے لے لیا۔ محمود اوصاف مذموم ٹھہرا دیئے گئے۔ حتّٰی صار اَعْجَزُ النَّاسِ عِنْدَ الْجَمِیْعِ مَنْ کَانَتْ لَهٗ هِمَّةٌ فِیْ اَنْ یَّسْتَفِیْدَ عِلْمًا اَوْ یَزْدَادَ فَهْمًا اَوْ یَکْتَسِبَ فَضْلًا اَوْ یَجْعَلَ لَهٗ ذٰلِکَ شُغْلًا۔

یعنی اس انقلاب کو اس حد تک ترقی ہوئی کہ عام طور پر سمجھا جانے لگا کہ علم عربی میں مشغول ہونے والا طالب علم اور علوم عربیہ سے استفادہ اور کمال کا طلب گار محض ایک نکما اور ناکارہ آدمی ہوتا ہے (دلائل الاعجاز صـ ۲) آج جب کہ علوم و فنون اس کے اگلے حال پر نہ رہے اور علماء پر زر و مال کی وہ بارش رہی جو کبھی تھی اور بجائے ان کے جدید علوم و فنون کا دور دورہ

ہوا تو با اصول کُلُّ جَدِیْدٍ لَذِیْذٌ قدیم علوم و فنون کی گرم بازاری ہو تو کیونکر ہو۔ پس میرا لکھنا صحیح ہے کہ عربی زبان پر کسی شخص کا کچھ لکھنا اوّلاً تو یونہی معیوب ہے۔ دوسرے اس قسم کا تذکرہ کہ جس میں اگلی روایات کا اندراج مقصود اور اگلے طلباء کے ذوق کے کارنامے دکھلانے مقصود ہوں۔ اس وجہ سے بھی معیوب ہوتے ہیں کہ ان میں کان اور بود کا لاینحل جھگڑا رہتا ہے حالانکہ (پدرم سلطان بود) اور (کان فلانٌ کذا) ایک حد تک غیر مفید ہے، لیکن بقول شاعر ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قِصّۂ پارینہ را

یہ مختصر تذکرہ اخذ عبرت و بصیرت کے پیش نظر قلمبند کر دیا گیا ہے۔ مجھے اس تحریر سے صرف یہی مقصد پیش نظر ہے کہ اگلی روایات کے ذریعہ جماعت طلباء میں علمی زندگی بسر کرنے کی ایک لہر دوڑا دوں۔

میں نے اس تحریر میں قابلِ عبرت اور سبق آموز حالات و سوانح کو ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کی ہے علم کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لا کر اپنا یہی مطمح نظر رکھا ہے کہ کسی طرح طلبائے عربیہ کے ذہن میں ڈال دوں کہ علم کی جب آپ پوری تلاش کریں گے۔ کد و کاوش، محنت، سعی اور طلب میں لگ جاویں گے تو آپ بھی وہی دُرِ یکتا اور صدف کے وہ اکیلے موتی ہوں گے جس کی دمک چمک آنکھوں کو خیرہ کئے دیتی ہے اور جس کی اصلی قیمت لگانے سے دنیا عاجز رہ جاتی ہے۔ قرآن مجید کی مبارک آیات اس بارے میں خود وارد ہیں۔ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی جب میرا یہ مقصود تھا تو لازمی تھا کہ بعض شبہات کا بھی ازالہ کر دوں مثلاً یہ کہ ان علوم و فنون میں وہی لوگ ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں جو صاحب ثروت ہوں اور بڑی حیثیت کے لوگ ہوں، حالانکہ ایسا نہیں ہے اس لئے آپ اس تحریر میں دیکھیں گے کہ فقر و فاقہ و تنگدستی اور غربت کے باوجود بھی کتنے علماء ہیں کہ جنہوں نے اصلی طلب و جستجو کی بنا پر دنیا میں علوم و فنون کے ذخار دریا بہا دیئے بغرض کوشش کی گئی ہے کہ اگلے طالب علموں کے ذوق محنت و مشقت و غربت پیادہ پائی و بے سر و سامانی کا ایک خاکہ کھینچ کر صرف ارباب طلب حقیقی تک یہ مفروضہ پہنچا دیا جائے۔ ان کو اپنی اس طلب، و مطالعہ و محنت میں آگے بڑھایا

جائے تاکہ وہ دنیاوی خطرات سے الگ ہوکر اس محبوب علم میں اور شغل پیدا کریں، ورنہ امراء کی طرح اگر غرباء نے بھی علم دین سے رابطہ نہ رکھا تو پھر علوم اسلاف اور دفاتر دینیہ کا کوئی پھر نام لیوا نہ ہوگا ؎

ڈر ہے کہ کہیں نام بھی مٹ جائے نہ آخر　　　مدت سے لسے دور زماں میٹ رہا ہے

(حالی)

دنیا میں بہت سی ترقیاں ہمارے دیکھتے دیکھتے ہو گئی ہیں۔ کیا بارگاہ لم یزل سے ایسا ہو جانا ممکن ہے کہ علم عربی پھر اسی طرح ہمارے دیکھتے دیکھتے پروان چڑھے۔ ممکن ہے اس اصلی حالت کے عود کر آنے میں کچھ شبہ ہو، لیکن مجھے پھر یہ کہنا پڑتا ہے کہ جس خداوند جلّ وعلیٰ نے پہلے اس کی قدر کی تھی۔ اس کے اصلی طلب گار بنائے تھے۔ اس خدا کے لئے تو کچھ دشوار نہیں ہے کہ پھر اسی طرح سینکڑوں علماء فضلاء پیدا کرے۔ ہزاروں طلب گار حقیقی کا ایک ٹھٹھ کا ٹھٹھ جگہ جگہ شہر شہر میں پیدا ہو اور علوم و فنون کے دریا بہہ جائیں۔ جب خدا چاہے گا تو وہ مسبب الاسباب اسباب و علل کا نامعلوم سلسلہ پیدا کر دے گا۔ پس اے مصیبت زدہ طلبائے کرام! میں تم سے اب رخصت ہوتا ہوں۔ یاد رہے کہ انقلاب زمانہ کبھی ایک پہلو چین سے نہ بیٹھا ہے نہ بیٹھ سکتا ہے۔ ؎

دور گردوں گر دو روزے بر مراد ما نگشت
دائما یکساں نماند کار دوراں غم مخور

علماء کا درجہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ط یعنی اللہ تعالیٰ صاحبان ایمان و صاحبان علم کو کئی درجہ بلند فرماتے ہیں۔" حضورؐ فرماتے ہیں۔ اقرب الناس من درجة النبوة اهل العلم والجهاد اما اهل العلم فدلّوا الناس على ما جاءت به الرُّسُلُ واما اهل الجهاد فجاهدوا باسيافهم على ما جاءت به الرُّسُلُ۔ یعنی حضورؐ نے فرمایا کہ درجۂ نبوت کے قریب اہل علم (علماء) اور اہل جہاد (مجاہدین) ہیں۔ اہل علم فرامین رسالت کی تبلیغ کے لئے جہاد باللسان و جہاد بالقلم کرتے ہیں، اور اہل جہاد فرامین رسالتؐ کے لئے جہاد بالسیف کرتے ہیں" [1]

دوسری جگہ ارشاد ہے۔ یُوْزَنُ یوم القیامه مداد العلماء بدم الشهداء۔ یعنی قیامت کے دن علماء کی روشنائی اور شہیدوں کے خون کا باہم وزن ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علماء کی تصانیف و رسائل و اخبارات دینیہ کی تحریر و اشاعت میں جو روشنائی صرف ہوتی ہے اس کا درجہ مجاہدین شہیدوں کے خون کے برابر ہے۔ گو یہ حدیث ضعیف ہے مگر فضائل اعمال میں اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

(منتخب کنز العمال و مجمع البحار)

تیسری جگہ حضورؐ کا فرمان ہے۔ یبعث الله تعالیٰ العباد یوم القیامة ثم یبعث العلماء ثم یقول یا معشر العلماء انی لم اضع علمی فیکم الا لعلمی بکم ولم اضع علمی فیکم لاُعَذِّبکُم اذهبوا فقد غفرت لکم (کنز العمال و احیاء العلوم) یعنی اللہ تعالیٰ دن قیامت کے تمام بندوں کو اٹھائیں گے پھر علماء کو خصوصیت سے طلب کریں گے اور فرمائیں گے اے علماء کی جماعت میں تم کو اپنا علم (دین و شریعت کا) اس کا اہل سمجھ کر دیا تھا۔ پس اپنا علم دے کر اب تمہیں کوئی سزا نہ دوں گا۔ جاؤ میں نے تم سب کو بخش دیا۔

صحابہ کرام کے ارشادات عالیہ

قال ابن عباس خُیِّرَ سلیمان بن داؤد بین العلم والملک والمال فاختار العلم فاعطی الملک والمال به۔ یعنی حضرت سلیمان ابن داؤد علیہما السلام کو اختیار دیا گیا کہ خواہ علم لیں خواہ ملک و مال، آپ نے علم پسند کیا جس نے ملک و مال تک بھی پہنچا دیا۔

وقال ابوالدرداء کُنْ عَالِماً اَوْ مُتَعَلِّماً اَوْ مُسْتَمِعاً وَلَا تَکُنِ الرابع۔ یعنی زندگی تین صورتوں میں گزرے یا علم سکھانے میں یا علم سیکھنے میں یا علم دین و مسائل دین کے سننے میں اس کے سوا چوتھی صورت نہ ہو۔

---

[۱] ابن قیمؒ نے مجاہدین بالسیف پر بھی مجاہدین بالعلم والقرآن کا مرتبہ افضل بتایا ہے۔ (زاد المعاد ج ۱)

ہر چند کہ ارشاداتِ نبویہ واقوال صحابہ اہلِ علم کی فضیلت ولبشارت کے باب میں بہت کثرت سے وارد ہیں، لیکن اس جگہ بہ نظر اختصار چند اشارات پر کفایت کی گئی۔ مفصل دیکھنے کے لئے مفتاح السعادت للامام العلامہ المعروف بہ طاشی کبریٰ زادہ مطبوعہ حیدر آباد دکن کی جلد اوّل ملاحظہ کریں۔ اس جگہ دو شعر حق استاذ پر طلبہ کے عمل کے لئے لائق حفظ نقل ہیں ؎

رأیتُ احق الحق حق المعلم — واوجبہ حفظاً علیٰ کل مسلم

لقد حُقَّ ان یھدیٰ الیہ کرامۃً — لتعلیم حرف واحدٍ الف درھم

یعنی استاذ کا حق سب حقوق سے بڑھ رہے اور ہر مسلمان کو اس حق کا لحاظ ضروری ہے اور استاذ تو اس لائق ہے کہ ایک ایک حرف پر ہزاروں درم نذر کئے جاویں"

اب احترام اساتذہ پر چند واقعات ملاحظہ ہوں :۔

اساتذہ کا احترام

۱۔ علامہ شبلیؒ نے المامون میں ابن خلکان تذکرۂ فراء کے حوالے سے لکھا ہے کہ خلیفہ مامون کے دو بچے فراء نحوی سے تعلیم پاتے تھے۔ ایک بار وہ کسی کام کے لئے مسند تدریس سے اٹھا۔ دونوں شہزادے دوڑے کہ جوتیاں سیدھی کرکے آگے رکھ دیں چونکہ دونوں ساتھ پہنچ گئے تھے اس لئے پہلے تو جھگڑا ہوا پھر خود ہی طے کرکے ہر ایک نے ایک ایک جوتی سامنے لاکر رکھی، مامون نے ایک ایک چیز پر پرچہ نویس مقرر کر رکھے تھے۔ اس واقعہ کو بھی پرچہ نویسوں نے پہنچایا۔ مامون کو جب اطلاع ہوئی تو فراء بڑی شان سے دربار میں طلب ہوا۔ مامون نے فراء سے کہا سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ فراء نے کہا امیر المومنین۔ مامون نے کہا سب سے زیادہ معزز وہ ہے جس کی جوتیاں سیدھی کرنے پر امیر المومنین کے لختِ جگر آپس میں جھگڑا کریں۔ پھر خلیفہ مامون نے اہلِ دربار کو واقعہ سنایا اور استاذ و شہزادگان کو اعلیٰ قدر مراتب انعام دیا۔ اس واقعہ کو حافظ سخاوی نے فتح المغیث میں مفصل نقل فرمایا ہے۔

۲۔ اسمٰعیل بلگرامی ایک طالب علم تھے جو فاضل و علم ہونے کے باوجود ملّا عبد الحکیم صاحب سیالکوٹی کی خدمت میں سبق پڑھنے کی خواہش سے جاتے ہیں۔ ملّا صاحب نے عذر کیا کہ نئے سبق کی اب گنجائش نہیں ہے، مگر صرف سماع کر سکتے ہو، چونکہ صرف سماع کی اجازت تھی۔ اس لئے

میر اسمعیل صاحب ہمیشہ سماع ہی کرتے تھے اور ایک حرف نہ بولتے تھے۔ مدتوں اسی طرح حال رہا۔ آخر ایک دن ملا صاحب نے خود کہا کہ تم نے کبھی بات دریافت نہ کی جواب دیا کہ حضور نے میرا منصب صرف "سماع" قرار دیا تھا اگر الگ وقت کچھ ملے تو عرض کروں۔
عصر اور مغرب کے درمیان وقت مقرر ہوا۔ ایک بحث ایسی آن پڑی کہ عصر سے مغرب تک اور پھر مغرب سے عشاء تک اور پھر دوسرے روز دن بھر اور پھر اس کے بعد تک، تیسرے روز سارا دن اس میں صرف ہو گیا، مگر مسئلہ حل نہ ہوا۔ آخر ملا صاحب کے دریافت پر میر اسمٰعیل نے ایک قلمی حاشیہ پیش کیا جسے دیکھ کر ملا صاحب بہت محظوظ ہوئے اور اس کی تحسین کی (مآثر الکرام ص ۲۴۴) میر اسمعیل صاحب کا احترام استاذ ملاحظہ ہو اور زمانہ حال کے طلباء پر نظر ڈالیں۔

۳۔ محدث سفیان بن عیینہؒ فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد کی نصیحت تھی کہ اپنے اساتذہ کی خدمت و اطاعت کو واجب سمجھو۔ اسی لئے میں اساتذہ کی خدمت میں مشہور تھا۔ میرے والد کا مقولہ تھا۔ لن یسعد بالعلماء الا من اطاعھم فاطعھم تسعد واخدمھم تقتبس من علمھم (تہذیب الاسماء جلد اول ص ۲۲۵) یعنی علماء و اساتذہ سے وہی فیض اٹھائے گا جو ان کی خدمت کرے گا۔

۴۔ خلیفہ ہارون الرشید نے شہزادہ مامون کی تعلیم کے لئے یزیدی جیسے مجتہد فن کو مقرر کیا تھا ایک دن یزیدی حسب معمول آیا مامون اس وقت محل میں تھا۔ خدام نے یزیدی کے آنے کی اطلاع دی مگر کسی وجہ سے مامون کو کچھ دیر ہو گئی۔ مامون جب باہر آیا تو یزیدی نے چھ سات بید رسید کیے۔ اتنے میں خادموں نے وزیر سلطنت جعفر بن یحیٰی برمکی کے آنے کی اطلاع کی مامون فوراً آنسو پونچھ کر فرش پر بیٹھ گیا اور حکم دیا "اچھا آنے دو" جعفر حاضر ہوتا ہے اور دیر تک باتیں کر کے واپس جاتا ہے۔ یزیدی نے پوچھا کہ صاحبزادہ کچھ میری شکایت تو نہیں کی گئی؟ تو مامون نے سعادت مندی کے لہجہ میں کہا۔ استغفر اللہ۔ میں اپنے والد ماجد ہارون الرشید سے تو کہنے کا نہیں، جعفر سے کیا کہوں گا؟ کیا میں نہیں سمجھتا کہ ادب و تعلیم سے مجھے کس قدر فائدے پہنچیں گے (تاریخ الخلفاء ص ۲۲۶) اس واقعہ کو حافظ ذہبی اور علامہ یافعی نے بھی تذکرہ اور

مراۃ الجنان میں قلم بند کیا ہے۔

۵۔ شیخ صفی الدین جو اپنے وقت کے امام گزرے ہیں۔ ان کا واقعہ ہے کہ ایک بار ان کے استاذ نے کہا کہ بھائی کہیں سے مولی جاکر لاؤ۔ مولی کا موسم نہیں تھا اور رات کا وقت تھا لیکن بلا عذر شیخ موصوف اٹھ پڑے اور عرض کیا کہ تلاش کرنے جاتا ہوں، چنانچہ خیر آباد (جہاں تعلیم پاتے تھے) گلی گلی تلاش کیا۔ ہر ایک محلہ میں تلاش کیا، مگر اہل محلہ دروازہ بند کر کے سوئے تھے ایسے وقت میں کسی سے دریافت کرنے کا موقع ہی نہ تھا۔ اپنی ناکامی و حیرانی پہ دل گرفتہ ہو کر رونے لگے۔ یکایک محلہ کا ایک آدمی بیدار ہو کر آیا اور اس نے رونے کا سبب پوچھا۔ انہوں نے حکم استاد اور مولی کی تلاش کا قصہ کہہ سنایا۔ اس نے کہا بے موسم مولی کہاں ملے گی؟ اتنے میں دو آدمی محلہ کے اور آ گئے اس میں ایک عورت نے مولی کا پتہ بتایا۔ سب لوگ معہ شیخ موصوف کے صاحب خانہ کے پاس گئے اور دروازہ کھٹکھٹا کر بیدار کیا۔ مولی طلب کرنے پر اس نے دو عمدہ مولیاں اکھاڑ کر دھو کر شیخ صفی کے حوالے کیں۔ ان کے استاد اس حسن خدمت پر بے حد خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔ سچ ہے ے

ہر کہ خدمت کرد اُو مخدوم شُد
ہر کہ خود را دید اُو محروم شُد

۶۔ امام زہری جو فن حدیث کے مدوّن اول ہیں۔ وہ اپنے استاد کی بے انتہا خدمت کرتے درس حدیث سے پہلے اپنے استاد کا ایک باغ سینچتے اور کنویں سے ڈول بھر بھر کر نکالتے اور یہ عمل روزانہ کرتے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد اول در ذکر شیخ عبید اللہ)

۷۔ تاریخ فرشتہ کے حوالے سے نزہتہ الخواطر میں منقول ہے کہ مولانا عضد الدین دہلوی محمد شاہ تغلق کے منطق و فلسفہ میں استاد تھے۔ بادشاہ ان کی بڑی قدر دانی کرتا۔ ایک بار چار کروڑ روپیہ اپنے استاد کی نذر کیا۔ (نزہتہ الخواطر ص ۷۹)

۸۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ باوجود اختلاف رائے کے امام ابو حنیفہؒ کی بیحد تعظیم فرماتے ایک شخص نے امام کے بارے میں کچھ گستاخانہ سوال کیا۔ آپ نے اس کی سرزنش فرمائی۔

(تہذیب الاسماء جلد ثانی ص ۲۱۹)

۹۔ امام ابوحنیفہؒ احترام اساتذہ میں خود بھی بے نظیر تھے۔ فرماتے ہیں میری عمر گزر گئی، لیکن اس مدت میں میں نے ایسی نماز نہیں پڑھی جس میں والدین کے ساتھ اساتذہ کے لئے دعا نہ کی ہو۔

(تہذیب الاسماء جلد ثانی ص ۲۱۸)

۱۰۔ امام احمد بن حنبلؒ بھی اپنے شیخ امام شافعیؒ کے لئے ہمیشہ دعائیں فرماتے۔ (تہذیب الاسماء جلد اوّل ص ۶۱ و تذکرۃ الحفاظ جلد ثانی و فتح المغیث)

علمائے سلف کا احترام

قدر دان بادشاہوں نے علماء کا جو رتبہ سمجھا تھا ان کو واقعات ذیل سے معلوم کیجئے:۔

۱۔ امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ ایک بار ہارون الرشید نے مجھ سے کہا۔ بَیِّنْ لنا عن نَفْسِكَ فَبَیَّنْتُ حتّٰی اَلْحَقْتُ آدَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ بالطِّیْنِ۔ یعنی ہارون رشید نے مجھ سے کہا کہ تم اپنا نسب نامہ بیان کرو۔ میں نے اپنا نسب مسلسل شروع کیا حتّٰی کہ آدم علیہ السلام سے جا ملایا۔ ان سب حضرات کا تبحر و کمال سلاطین و ذی رتبہ امیروں کی قدر دانیوں اور عام عزّت افزائیوں کا مرہونِ منت ہے۔

۲۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی (شرح جامی والے) ایک بار حج کو تشریف لے گئے تو سلطان روم محمد فاتح کو معلوم ہوا کہ مولانا جامی حج کے لئے آئے ہیں اور آج کل ملک شام کی سیاحت کر رہے ہیں، تو خواجہ عطاء اللہ کرمانی کے ہمراہ پانچ ہزار اشرفیاں نقد روانہ کیں اور آئندہ ایک لاکھ روپیہ روانہ کرنے کا وعدہ کیا اور پیغام بھیجا کہ اگر چند روز کے لئے قسطنطنیہ تشریف لا کر ہم آرزومندوں کو مشرف فرمائیں تو نوازش بزرگانہ ہے۔ یہ سفیر دمشق تک پہنچ چکا تھا۔ مولانا کو حلب میں اس کی خبر لگی تو مولانا فوراً وہاں سے تبریز کو چل پڑے کہ کہیں وہ لوگ نہ آجاویں اور قسطنطنیہ چلنے پر مجبور کریں۔ اب سلطان حسن بیگ والئ تبریز کو مولانا کی آمد کی خبر ملی تو تین ہزار سوار اور امراء اور شاہزادوں کو ساتھ لے کر مولانا کو لینے کے لئے روانہ ہوا۔ بہت اکرام و احترام کے ساتھ قلعہ میں لا کر ٹھہرایا اور طرح طرح کے شاہانہ تحائف دیئے۔

(حیات جامی ص ۳۱ مؤلفہ مولانا اسلم جیراج پوری)

۳۔ تیمور لنگ اور علامہ تفتازانی کا بھی یہ واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ ایک بار تیمور لنگ نے کسی اہم کام

پر چند سواروں کو بھیجا اور کوتل گھوڑوں کی ضرورت کا یہ انتظام بتایا کہ جہاں جہاں جو تازہ دم گھوڑے مل جاویں۔ اس کو تم اپنی سواری میں زبردستی[1] لے لینا۔ چنانچہ وہ سپاہی منزل بہ منزل ایک مقام پر آئے۔ یہاں علامہ تفتازانی کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ علامہ کے غلاموں نے یہ زبردستی دیکھ کر علامہ کو خبر کی۔ علامہ نے کہا خوب اچھی طرح بیٹھو ہرگز نہ لے جانے دو۔ چنانچہ یہ سپاہی تیمور کے پاس اپنی شکایت لے گئے۔ تیمور نے کہا۔ میں ایسے شخص کے احترام پر مجبور ہوں جس کا یہ حال ہے کہ مشرق و مغرب میں جہاں جہاں میرے فتوحات بڑھے وہاں وہاں اس کی تصانیف پہلے سے پہنچی ہوئی تھیں (تاریخ المشاہیر مؤلفہ قاضی صاحب پٹیالوی)

۴۔ ملا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی شاہجہاں بادشاہ کے زمانے میں تھے جب دربار شاہی میں جاتے۔ لاتعداد اشرفیوں کا انعام لے کر واپس آتے۔ دو مرتبہ شاہجہان نے ملا صاحب کو سونے سے وزن کرایا ہے اور جتنا سونا وزن میں آیا سب عطا کر دیا۔ ایک بار شاہجہاں نے گراں قدر جواہرات سے آپ کا وزن کرایا اور بہت سے مواضع بلا محصول انعام کے طور پر دیئے۔

(ماثر الکرام جلد اول ص ۲۰۵)

۵۔ سلطان محمد تغلق نے مولانا معین الدین عمرانی دہلوی کو ولایت فارسی میں قاضی عضد یحیٰی کے پاس بھیجا اور عرض کرائی کہ آپ ہندوستان تشریف لے چلیں اور متن مواقف کو سلطان محمد کے نام سے منسوب فرمائیں۔ سلطان ابو اسحاق والی شیراز کو جب معلوم ہوا تو دوڑا ہوا آیا اور اپنی فارسی زبان میں کہا "تخت و سلطنت بشما تسلیم می کنم و ہر خدمتے کہ باید بہ تقدیم می رسانم" کہا کہ یہ سلطنت حاضر ہے۔ اسے قبول فرمایئے اور ہر خدمت بجا لانے کے لئے حاضر ہوں مگر للہ آپ یہاں سے نہ جایئے۔ (ماثر الکرام جلد ا ص ۱۸۴)

ذوقِ علم و مطالعہ

---

[1] دورِ خلافت راشدہ میں بیگار پکڑنے کی سخت ممانعت تھی ایک بار سرکاری ڈاک کا گھوڑا تھک گیا تھا تو عمال نے کسی کا گھوڑا بیگار میں پکڑا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اطلاع دی گئی تو عامل کو سخت سزا دی، اور کرایہ ادا فرمانے کا حکم دے کر ارشاد فرمایا میری حکومت اور بیگار؟

۱۔ علامہ سید رشید رضا صاحب تفسیر المنار اپنے وطن میں تعلیم پاکر فارغ التحصیل ہو چکے تو آپ کو سید جمال الدین مرحوم کے رسالہ "العروۃ الوثقیٰ" کے مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ رشید رضا نے فوراً عزم بالجزم کر لیا کہ اپنی زندگی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت پر وقف کر دیں گے۔ رشید رضا نے اپنی عقیدت کے پیام سید جمال الدین کو بھیجے مگر جواب دینے سے پہلے ہی وہ فوت ہو گئے اب ان کے شاگرد شیخ محمد عبدہٗ مصری موجود تھے۔ رشید رضا نے طے کر لیا کہ مصر جائیں گے اور محمد عبدہٗ کی صحبت اختیار کریں گے۔ شادی ہو چکی تھی۔ بیوی سے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ وہ سفر کے لئے راضی نہ ہوئی۔ اولوالعزم لوگوں نے کبھی بیوی بچوں کی پروا نہیں کی۔ رشید رضا نے بیوی کو طلاق دی اور مصر محمد عبدہٗ کی خدمت میں روانہ ہو گئے۔ (ہفتہ وار ہند کلکتہ ۱۶ ستمبر ۱۹۲۵ء)

دیکھئے! فارغ التحصیل ہو گئے ہیں۔ سید جمال الدین کا انتقال بھی ہو گیا ہے۔ بیوی بھی سفر پر راضی نہیں ہے لیکن بایں ہمہ عوائق تحصیل علم کے لئے وہ دوبارہ تیار ہو کر مصر پہنچ ہی جاتے ہیں۔ ہمارے ہندوستان میں مدرسوں کے اکثر طالب علم شادی شدہ ہوتے ہیں اور یہ شادی شدہ طلباء اپنے خانہ داری کے بار کی وجہ سے تعلیم مکمل حاصل کرنے سے مجبور ہیں۔

(فاتما ثم آہا)

۲۔ امام ابن شہاب زہری المتوفی ۱۲۴ھ بہت بڑے تابعی ہیں۔ امام مالکؒ، سفیان ثوری وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔ امام موصوف کے مطالعہ کا یہ حال تھا کہ جب اپنے گھر میں کتب بینی کے لئے بیٹھ جاتے تو وہ ایسے مصروف ہو جاتے کہ ان کو کسی چیز کی کچھ خبر نہ رہ جاتی۔ ایک دن ان کی بیوی نے تنگ آکر کہہ دیا، خدا کی قسم یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے بھی زیادہ بھاری ہیں۔

(ابن خلقان جلد اوّل ص ۹۷ و تذکرۃ الحفاظ جلد اول)

۳۔ امام احمد بن محمد کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ بہت مالدار اور کثیر الصدقہ تھے۔ حج کے راستوں میں ان کے اوقات تھے اور شکر کا کارخانہ ان کے پاس تھا۔ باوجود اس ثروت و دولت مندی کے ایسے زبردست اہل علم کہ امام ابن تیمیہؒ سے ان کے مناظرے ہوئے۔ علامہ ابن تیمیہؒ آپ کے متعلق فرماتے ہیں کہ شافعیہ کے مسائل ان کی داڑھی کے بال بال کو معلوم ہیں۔ ابن دقیق العید بہت مدح کرتے۔ باوجود دولت و کثرت معلومات کے مطالعہ کا جو عالم تھا اس کو حافظ ابن حجرؒ

کے لفظوں میں سنیئے ۔ کان مُکبّاً علی الاشتغال حتی عرض لہ وجع المفاصل بحیث کَانَ الثَّوَابُ اذا لمس جسمہٗ المہ ومع ذٰلک معہ کِتَابٌ یَنْظُرُ اِلَیْہِ وَرُبَمَا انکبّ علی وجھہٖ وھو یُطالع (دررکامنہ ج ا ص ۲۸۷) یعنی رات دن کے کثرت مطالعہ سے وجع المفاصل کی ایسی تکلیف ہوگئی تھی کہ جسم پر کپڑا چھو جانے سے بھی تکلیف ہوتی تھی لیکن بایں ہمہ مطالعہ میں کتاب رہتی تھی جس کو دیکھتے دیکھتے کبھی کبھی اوندھے منہ چہرہ کے بل گر پڑتے ۔

یہ تھا اسلاف کا ذوق مطالعہ اور ہماری بے مائگی کا حال اسی کمی کی بناپر ہے ۔

۴۔ امام رازی کا علمائے اسلام میں جو رتبہ ہے وہ اسی سے ظاہر ہے کہ سینکڑوں برس گزرنے پر بھی عربی درس گاہوں کے در و دیوار سے امام رازی کی صدا آرہی ہے ۔ یہ وہی امام ہیں جن کو کھانے کے وقت علمی شغل و کتب بینی کا موقع فوت ہونے پر افسوس ہوتا تھا ۔ فرماتے ۔ واللہ انّی لَاَتَاسّفُ فی الفوات عن الاشتغال بالعلم وقت الاکل فانّ الوقت والزمان عزیز (عیون الانباء ج ۲ ص ۲۳)

معلوم ہوا کہ مطالعہ چھوڑ کر کھانا کھانے میں جو وقت خرچ ہوتا تھا اس پر امام کو تأسف ہوتا تھا اور آج جس قدر وقت ہمارے طلباء ضائع کرتے ہیں ویسے ہی وقت ان کو ضائع کر رہا ہے ۔

۵۔ مولانا بحر العلوم کا ذوق مطالعہ دیکھیے ۔ رات کو کتابوں کے مطالعہ کی عادت تھی ۔ ایک بڑا فتیلہ سوز سامنے روشن رہتا تھا جس میں اس انداز سے تیل ڈالا جاتا تھا کہ فتیلہ کی خاموشی اختتام شب کی خبر دے ۔

ایک شام مولانا کو ایک نئی کتاب ملی ۔ اس کو سرسری طور سے دیکھنے کے لئے ایک چراغ کے سامنے جا کر کھڑے ہوگئے ۔ کتاب کے مضامین سے کچھ ایسی محویت طاری ہوئی کہ جب تک چراغ کی خاموشی نے اختتام شب کی خبر نہ دی ۔ مولانا کو خاتمہ شب کی خبر نہ ہوئی ۔ (الندوہ ماہ مئی ۱۹۰۷ء)

ذوق ضبط وحفظ

۱۔ علامہ محمد مجد الدین فیروز آبادی جس پایہ کے شخص تھے ، وہ ان کی تصنیف "قاموس" سے ظاہر

ہے۔ تیمور لنگ جب علامہ سے ملتا تو نہایت تعظیم سے پیش آتا ۔ لیکن یہ بلند پایہ بلا کوشش مطالعہ ان کو نہ حاصل ہوا تھا۔ خود آپ کا بیان ہے کہ ہر روز میں جب تک دو سو سطریں نہ حفظ کر لیتا رات کو آرام نہ لیتا۔ یہ شوق سفر میں بھی قائم رہتا۔ (ابن خلکان جلد ۱ ص ۳۴۴)

۲۔ امام احمد بن ابراہیم کے تذکرہ میں لکھا ہے۔ وکان ذکیاً یحفظ اربع مائۃ سطر فی یوم واحد وھو ابن ثلثین سنۃ یعنی تیس برس کی عمر میں حفظ عبارت کا یہ عالم تھا کہ چار سو سطر روزانہ ازبر کر لیتے۔ (درر کامنہ جلد اول ص ۸۳)

۳۔ اور امام احمد بن حسین کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وہ روزانہ تین سو سطریں اپنے سبق کی حفظ کر لیتے تھے۔ (درر کامنہ ص ۱۱۸ جلد اول)

۴۔ ایک امام کے متعلق ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ان کے ضبط و حفظ کا کمال یہ تھا کہ اشعار و حکایات کے سننے کے ساتھ ہی اس کے کل حروف و اعداد بتا دیتے تھے اور کبھی یہ شمار غلط نہ نکلتا۔

(درر کامنہ جلد اول ص ۱۹۵)

۵۔ علامہ شعبی کا کمال ضبط و حفظ مسائل ملاحظہ ہو۔ ایک بار ان سے ایک عورت نے صرف اتنا کہا کہ میرا بھائی چھ سو دینار چھوڑ کر انتقال کر گیا۔ لوگ مجھے ایک ہی دینار کا وارث بناتے ہیں" آپ نے ذکور اور اناث کی تعداد معلوم کئے بغیر خود ہی فرمایا کہ متوفی کی دو بیٹیاں ہوں گی چار سو ان کے ہو گئے۔ ماں کو چھٹا حصہ یعنی سو دینار ملے۔ بیوی کو آٹھواں حصہ یعنی پچھتر دینار ملے۔ بارہ بھائی ہوں گے چوبیس ان کو ملے۔ باقی ایک بچا وہ تیرا ہے[1] (تاریخ الخلفاء)

۶۔ امام زہری کے متعلق منقول ہے کہ بعض خلفاء نے ابن شہاب زہری کو بلوا کر چار سو حدیثیں لکھوائیں۔ ایک مدت کے بعد خلیفہ نے پھر امام زہری کو بلوایا کہ وہ رسالہ گم ہو گیا ہے۔ پھر سے لکھا دیجئے۔ تو امام نے لکھوا دیا۔ تو اول رسالہ سے اس کا مقابلہ کیا تو ایک حرف تک کی کمی و بیشی

---

[1] یہ واقعہ امام شافعیؒ کا نہیں بلکہ خلیفہ مامون کا ہے۔ چنانچہ علامہ شبلی نے اپنی تصنیف "المامون" میں اس واقعہ کا انتساب تاریخ الخلفاء للسیوطی کے حوالہ سے مامون ہی کی طرف کیا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو المامون ص ۱۷۴ طبع دوم ۱۲ ۔ عبدالعلیم ماہر

نہ تھی۔ (ملاحظہ ہو ترجمہ زہری فی تہذیب التہذیب، و تذکرۃ الحفاظ ج ۱)

نوٹ: صحابہ کرام و تابعین و محدثین کے ضبط و حفظ کا کارنامہ اس سے بھی زیادہ عجیب ہے جسے میں نے صیانۃ الحدیث میں جمع کر دیا ہے۔

مطالعہ کی پابندی

۱۔ مولانا سیالکوٹی امام نووی کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ شارح مسلم امام نووی شب و روز مطالعہ میں رہتے۔ کیونکہ مختلف علوم میں مختلف استادوں سے ہر روز بارہ بارہ سبق پڑھتے تھے۔ آج کل اگر کوئی اتنی محنت کرے تو لوگ کہنے لگتے ہیں کہ پاگل ہو جاؤ گے۔ پھر لطف یہ کہ امام نووی نے بایں ہمہ محنت شاقہ کبھی کوئی پھل نہیں کھایا۔ حالانکہ دمشق کے باشندوں کا زیادہ تر گزارہ میوہ جات ہی پر ہے۔ نہ کبھی برف کا استعمال فرمایا۔ دن رات میں صرف ایک بار نماز عشاء کے بعد کھانا کھاتے (احکام المرام مؤلفہ میر سیالکوٹی)

اس طلب و سعی کامل کا یہ لازمی نتیجہ ہوا کہ مسلم شریف کی عمدہ و مشہور ترین شرح رہتی دنیا تک یادگار چھوڑ گئے۔ اپنی اسی شرح کی بابت فرماتے ہیں۔ لولا ضعف الھمّۃ وقلۃ الراغبین بسطت فبلغت بہ ما یرید علی مائۃ مجلّدات۔ اگر لوگوں کی ہمتیں کوتاہ نہ ہوتیں اور علم کے راغب کم نہ ہو گئے ہوتے تو میں اس شرح کو مبسوط کر کے لکھتا جو سو جلدوں پر جا کر ختم ہوتی۔ (مقدمہ نووی شرح مسلم)

مطالعہ میں انہماک

سفر نامہ شبلیؒ میں ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ مسٹر آرنلڈ جو علامہ شبلیؒ و علامہ اقبالؒ کے استاد ہیں، مسٹر موصوف علی گڑھ میں فلسفہ کے پروفیسر تھے ان کے وطن تشریف لے جانے کے موقع پر شبلیؒ بھی ساتھ گئے۔ بمبئی میں جہاز پر سوار ہوئے جب جہاز عدن پہنچ کر آگے روانہ ہوا تو ارمنی کو جہاز کا انجن ٹوٹ گیا۔ جہاز کے ملازمین اور کپتان گھبرائے گھبرائے تدبیریں کرتے تھے۔ انجن بالکل بے کار ہو چکا تھا۔ جہاز سست رفتار ہو گیا۔ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ عین اسی حالت میں اضطراب

دوڑا ہوا مسٹر موصوف کے پاس پہنچا، دیکھا کہ وہ نہایت اطمینان سے کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں میں نے ان سے کہا کہ آپ کو کچھ خبر بھی ہے؟ بولے کہ ہاں انجن ٹوٹ گیا ہے۔ میں نے کہا ایسی حالت میں یہ کتاب دیکھنے کا موقع ہے؟ فرمایا جہاز کو اگر برباد ہی ہونا ہے تو یہ تھوڑا سا وقت اور بھی قدر کے قابل ہے۔ (سفرنامہ شبلیؒ صـ ۱۶)

شوقِ علم

۱۔ امام مالکؒ کی خدمت میں بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے باہر سے آکر کہا کہ ہاتھی آیا چونکہ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتا اس لئے سب آدمی ہاتھی دیکھنے کے واسطے باہر چلے گئے۔ یحیٰی بن یحیٰی اندلسی بیٹھے کتاب دیکھتے رہے۔ امام مالکؒ نے پوچھا کہ ہاتھی تو اندلس میں بھی نہیں ہوتا کہا جناب! میں مغرب سے چل کر یہاں تک اس لئے آیا ہوں کہ جناب کے فیوض سے استفادہ کروں۔ اس لئے نہیں آیا کہ ایسے بابرکت شغل کو چھوڑ کر گلی کوچوں میں ہاتھی دیکھتا پھروں۔ (تاریخ المشاہیر صـ ۴۶)

۲۔ حافظ ابو نصر کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ان کے پاس ایک عورت ہزار اشرفی کی تھیلی لے کر آئی اور کہا آپ اسے قبول کریں، پوچھا اس سے مقصد کیا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھ سے نکاح کر لیجئے تاکہ میں آپ کے پاس رہ کر آپ کی خدمت کروں۔ آپ نے فرمایا۔ واپس جاؤ میں خراسان سے صرف علم طلب کرنے کے لئے نکلا ہوں۔ اگر میں نکاح کر لوں تو مجھ سے طالب علم کا خطاب چھن جاوے گا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صـ ۳۱۶)

۳۔ حسن بن شقیق کا بیان ہے کہ ایک روز نمازِ عشاء پڑھ کر عبداللہ بن مبارک کے ہمراہ مسجد سے آیا۔ مسجد کے صدر دروازہ تک آئے تھے کہ ایک حدیث کا ذکر آ گیا۔ ابن مبارک نے اس کے جواب میں تقریر شروع کی۔ میں اسی جگہ کھڑا ہو گیا۔ اس دلچسپ تقریر میں ہم کو یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ رات کیونکر گزر گئی۔ ہم اس وقت چونکے جب مؤذن نے صبح کی اذان دی (وفیات الاعیان ابن خلکان تذکرہ ابن مبارک و تذکرۃ الحفاظ جلد ثانی و فتح المغیث للسخاوی)

گھر سے بے نیازی

یشیخ احمد بن یحییٰ منیری جو صاحب المقامات والکرامات بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کا شمار مشاہیر اولیاء اللہ میں ہے۔ ان کی عمر شریف ایک سو بیس برس کی تھی۔ ان کے شوقِ علم کا یہ عالم تھا کہ صاحب نزہہ علامہ سید عبدالحی لکھتے ہیں کہ یہ بزرگ زمانۂ تعلیم میں والدین اور اقارب کی طرف سے آنے ہوئے خطوط کا مطالعہ نہیں کرتے کہ کسی وحشت ناک خبر سے دل کو دوسری پریشانی نہ لاحق ہو اور یکسوئی میرے مطالعہ کی جاتی رہے۔

(نزہتہ الخواطر ص ۹ حصہ اول مطبوعہ حیدر آباد دکن)

تنگدستی اور طالب علمی

۱۔ سلیمان بن ربیع کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے شمار کیا کہ امام شافعیؒ سے استفادہ علم کرنے والے اصحاب کتنے ہیں تو معلوم ہوا کہ نو سو سواریاں اہل علم کی موجود تھیں۔ یہ وہی امام ہیں جنہوں نے طالب علمی کا زمانہ نہایت تنگ دستی سے بسر کیا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں علم کا مزہ اس کو آتا ہے جس نے تنگ دستی میں علم سیکھا ہو۔ فرمایا زمانۂ طالب علمی میں میری یہ حالت تھی کہ مجھے ضروری نوٹ کے لئے کاغذ بمشکل دستیاب ہوا کرتا۔ تہذیب الاسماء للنووی کے الفاظ ہیں۔ نشأ الشافعیؒ یتیماً فی حجر امه فی قلة عیش وضیقِ حالٍ۔

(تہذیب الاسماء جلد اول ص ۴۶ و تاریخ المشاہیر ص ۱۸)

۲۔ علامہ ابو حامد الاسفرائنی جو ایک مشہور فاضل و مناظر گزرے ہیں۔ ان کی ابتدائی تعلیم نہایت فقر و فاقہ سے گزری ہے۔ ایک شخص کے گھر کی پاسبانی کرتے اور پاسبانوں کو جو تیل ملتا تھا اس کو جلا کر مطالعہ کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سات سات سو فقیہ ان کی مجلس درس میں سبق پڑھنے کو حاضر ہوتے رہے۔ (الفلاکتہ والمغلوکون ص ۶۴)

۳۔ قاضی ابو الولید باجی، جن کا ذکر حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری میں کئی جگہ کیا ہے۔ ۱۳ سال تک آپ نے تعلیم حاصل کی اور مزدوری کر کے پیٹ کا سامان کرتے۔ اندلس میں

زرکوبی کرتے۔ بغداد میں دربانی۔ الدیباج المذہب میں آپ کا حال ہے (جو بنارس مدن پورہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔)

۴۔ حجاج بن شاعر جو خلیفہ مامون کے عہد میں ترجمہ کے کام پر مامور تھے۔ ان کا تعلیمی زمانہ اس طرح ناگوار اور خشک گزرا ہے کہ خود فرماتے ہیں کہ سو روز تک متواتر ایک روٹی دجلہ کے پانی سے بھگولاتا اور پیٹ بھرتا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ثانی ص ۱۱۸)

۵۔ حافظ محمد داؤد ایک محدث گزرے ہیں، کہتے ہیں کہ ایام طالب علمی میں جب مجھے بھوک معلوم ہوتی تو آسودگی کی نیت سے سورۃ یٰس پڑھ لیتا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد سوم ص ۱۱۶)

۶۔ اخفش جو لغت وادب کے امام گزرے ہیں۔ ان کے ایام تعلیم بڑے تنگدستی سے گزرے ہیں خود فرماتے ہیں بارہا کچے شلغم کھا کر پیٹ بھرنا پڑا۔

(الفلاکۃ والمفلوکون ص ۶۵)

۷۔ امام ابو یوسف کے بچپن میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا، ماں بے چاری چرخہ کاتنے لگیں۔ ان کی والدہ نے ان کو ایک دھوبی کے سپرد کر دیا کہ اس کی مزدوری سے کام چلے۔ اب امام صاحبؒ روزانہ دھوبی کے ساتھ گھاٹ پر جاتے، مگر ان کا دل وہاں پر نہیں لگتا تھا۔ ایک دن الجھن میں آکر امام ابو حنیفہؒ کی درس گاہ تک پہنچ گئے۔ رفتہ رفتہ امام صاحب کی مجلس میں آنے جانے لگے اور دھوبی کے پاس جانے میں غفلت ہونے لگی۔ دھوبی نے شکایت کی، چنانچہ ان کی ماں نے امام ابو یوسف کو امام ابو حنیفہؒ کی درس گاہ سے کئی بار خود گھسیٹ کر نکالا۔ مزدوری کے پیسے بھی اب ملنے بند ہو گئے۔ دو دو یوم تک پانی پی پی کر دن گزارتے۔ ستو تک نہ پاتے کہ اس سے شکم پری کریں پڑھنے لکھنے کے لئے کاغذ تک نہ ملتا، مگر بایں ہمہ شوق علم نے ان کو ایک امام ہمام کا درجہ عطا کیا۔ (ہکذا فی مقدمہ شرح الوقایہ وکذا فی مقدمۃ ہدایہ) حافظ سخاویؒ نے آپ کی طالب علمی کے دور غربت و عسرت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ (فتح المغیث)

۸۔ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ علم وفضل کے جس مرتبہ پر ہیں، اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں، جنھوں نے آپ کی تصنیف "قبلہ نما" بغور دیکھی ہو۔ آپ کے ایام طالب علمی جس فقر وفاقہ اور عسرت سے گزرے ہیں۔ اس کا اندازہ آپ کی سوانح کے ان

چند کلمات سے کیجیے۔ مولوی صاحب کوٹھے پر ایک جھلنگا (ٹوٹی ہوئی چارپائی) پڑا تھا۔ اس پر پڑے رہتے۔ روٹی کبھی پکا لیتے تھے اور کئی وقت تک اسی کو کھاتے تھے اور وہی روکھا سوکھا ٹکڑا چبا کر پڑے رہتے۔ (دیکھو سوانح عمری مطبوعہ دہلی کا ص ۸)

۹۔ حجۃ الاسلام ابوالفضل والمکارم مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے رتبہ جلیلہ سے شاید ہی کوئی ناواقف رہ گیا ہے۔ یہ وہی طالب علم ہیں جنہوں نے اپنا حال خود بیان کیا ہے کہ حالت یتیمی میں چودہ برس کے گزر جانے کے بعد ہم نے ابتدائی کتابیں فارسی وغیرہ کی پڑھیں رفوگری کی اجرت سے خرچ چلتا تھا جسے ایام تعلیم میں ضروریات و تنگی معیشت سے خود ہی انجام دینا پڑتا (نور توحید سوانح ثنائیہ ص ۳۹) فرماتے ہیں کہ جب حضرت میاں صاحبؒ کی خدمت میں تعلیم کے لئے حاضر ہو گیا تو اسٹیشن پر ایک جوتی گم ہو گئی۔ صرف ایک جوتی کو بے کار سمجھ کر پھینک دینے کا خیال ہوا لیکن ایک بقال کے کہنے پر اسے رکھ لیا۔ اسی ایک جوتی کو پہنتا رہا۔ عرصہ تک دوسرے پاؤں کے لئے جوتی کا بندوبست نہ ہو سکا۔

(محدث ماہ جنوری ۳۹ء کا ص ۴)

اس طالب علم کو جسے ایک جوتی میسر نہ ہوئی تھی، علم و فضل کی بدولت آفتاب کی طرح شہرت اور لاکھوں روپیہ کی حیثیت حاصل ہوئی۔

۱۰۔ خواجہ زادہ جن کی ایک بڑی عارفانہ تفسیر "بیضاوی" کے حل پر ہے۔ ان کی ابتدائی تعلیم کے ایام نہایت تنگدستی سے بسر ہوئے۔ حالانکہ ان کے والد ماجد مالدار آدمی تھے، مگر وہ تعلیم دلانا نہیں چاہتے تھے۔ خواجہ اپنی ضد سے پڑھتے۔ باپ نے ان کو اپنی نظر سے گرا دیا اور باقی لڑکوں میں غلام اور دولت تقسیم کر دیا جس کی وجہ سے ان کو ایک ستر پوش پیوند در پیوند کرتے کے سوا دوسرا میسر نہیں ہوتا۔ نہ روپیہ ملتا کہ کتاب ہی خریدتے۔ پھٹے پرانے کاغذ پر اپنے ہاتھ سے اساتذہ کی تقریر لکھتے۔

لیکن تحصیل العلوم کے بعد ایک زمانہ آتا ہے کہ آپ سلطان محمد خانؒ کے استاد خاص مقرر کئے جاتے ہیں اور "قضاء عسکر" کے عہدۂ جلیلہ سے بھی سرفراز کئے جاتے ہیں۔ ان کے والد ماجد متواتر خبر پاکر ملنے آتے ہیں، خواجہ زادہ نے جب ان کی آمد کی خبر پائی تو استقبال کے لئے

مع خدم وحشم اور علماء و امراء و فضلاء کے باہر نکلے۔ ان کے والد نے ان کی یہ شان و شوکت دیکھ کر کہا: "بیٹا معاف کرنا، میں نے روپیہ تم پر بے کار سمجھ کر خرچ نہیں کیا اور تجھ سے بے توجہی برتی تھی معاف کرنا۔"

خواجہ زادہ نے جواب دیا۔ ابا جان! اگر مجھے برابر روپیہ دیتے تو میں اس رتبہ کو نہ پہنچتا۔ بلکہ عیش و عشرت اور پر تکلف خورد و نوش کی فکر دامن گیر ہو جاتی۔ (فوائد بہیہ مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی)

۱۱۔ فن حدیث کے عالی مرتبہ امام ابوحاتم رازی اپنا قصہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں زمانہ طالب علمی میں چودہ برس بصرہ رہا۔ ایک مرتبہ تنگ دستی کی یہ نوبت پہنچی کہ کپڑے تک بیچ کھاتے جب کپڑے بھی نہ رہے تو ایک رفیق سے ذکر کیا اس نے مجھے نصف اشرفی دے دی۔ اسی طرح بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم چند طالب علم ایک سفر میں تھے پیدل چلتے تھے۔ جب توشہ ختم ہو چکا اور بے آب و دانہ تین دن تک چلتے رہے۔ ہم میں سے ایک زیادہ عمر رسیدہ تھے وہ برداشت نہ کر سکے غشی کھا کر گر پڑے۔ ہم لوگ آئے اس کو حرکت دینے لگے تو دیکھا کہ بالکل بے حواس ہو چکے ہیں۔ ہم ان کو چھوڑ کر ایک ہی میل تک گئے ہوں گے کہ میں اس مقام پر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ میرا ساتھی مجھے چھوڑ کر آگے گیا اس نے آگے بڑھ کر ایک کشتی بان کو اشارہ سے بلایا اس نے آکر اس کو پانی پلایا اور کہا کہ میرے دو ساتھی بیہوش پڑے ہیں۔ ان کی خبر لو۔ چنانچہ مجھے کچھ ہوش نہیں تھا۔ جب ایک آدمی مجھ پر پانی چھڑک رہا تھا اس وقت مجھے افاقہ ہوا اور میں نے تھوڑا سا پانی پیا۔ اس کے بعد اسی طرح شیخ کو ہوش میں لایا گیا۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۴۷)

آج کل طلباء سے کوئی پوچھے کہ کیا سفر علم میں تم نے اس قسم کی تکلیف اٹھائی ہیں؟ اور کیا تم نے بھی طلب علم میں ہزار ہا میل پیادہ سفر کئے ہیں؟ جواب کیا ملے گا؟ یہ سب کو معلوم ہے۔

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

۱۲۔ امام طبرانی [illegible]

فرمایا کُنْتُ اَنَامُ عَلَی الْبَوَارِیْ ثَلٰثِیْنَ سَنَةً۔ اے جان من انیس برس تک میری کمر نے بورے کے سوا کسی بستر کا لطف نہیں اٹھایا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ثالث ص ۱۲۸)

اس روایت کو پڑھ کر طلبہ اور علم کے شائق حضرات غور کریں کہ آج آپ لوگوں نے اپنے آرام کے لئے کیا کیا انتظام کیں اور کیا کیا نہیں چاہتے ہیں؟

اے علم دین کے طالب ہوشیار۔ دیکھنا کبھی آرام وراحت طلبی کی فکر میں نہ لگنا ورنہ یاد رہے کہ علماء کی شان تم میں پیدا نہ ہوگی اور فضیلت کا سہرا اس آرام طلبی پر کبھی نصیب نہ ہوگا علماء نے فتویٰ دے دیا ہے کہ شان علمیت آرام طلب طالب علم سے تضاد کی حیثیت میں ہے اس لئے کہ طلب آرام وطلب علم دونوں پوری نہیں ہوسکتی یا تو طالب ہو من حیث ھو طالب یا طالب راحت دونوں طلب جمع نہیں ہوسکتیں۔

برف سے پرہیز

امام ابوبکر انباری اگرچہ مالدار تھے، مگر خود ہی اپنے ثروت سے لاپرواہ تھے۔ آپ نے نکاح بھی نہیں کیا۔ قوتِ حافظہ کا یہ حال تھا کہ لغت قرآن کریم کے استشہاد میں ان کو تین لاکھ اشعار زبانی یاد تھے۔ زبانی لیکچر دیتے تھے۔ آپ نے برف کا استعمال کبھی نہیں کیا۔ کہا کرتے تھے کہ یہ چیزیں حافظہ کے لئے مضر ہوتی ہیں۔ (بغیۃ الوعاۃ و مرآۃ الجنان للیافعی رح)

سبق کے بار بار تکرار کا التزام

۱۔ علامہ ابو اسحاق شیرازی کا معمول تھا کہ اپنے اساتذہ سے روز جو کچھ حاصل کرتے تھے اس کو گھر جاکے بلاناغہ روزمرہ سو بار تکرار کرکے حفظ تک پہنچا دیتے تھے، آپ نظامیہ بغداد کے صدر مدرس اور مشہور کتاب مہذب کے مصنف ہیں جس پر چودہ برس کا زمانہ آپ نے صرف کیا۔ (تہذیب الاسماء جلد ثانی ص ۱۷۳)

آخر یہ بزرگ اپنی اس محنت شاقہ کی وجہ سے ایسے نامور وشہیر خلائق ہوئے کہ لوگ حسن عقیدت سے خچر کے پاؤں کی خاک شوق سے اٹھاتے اور سوار ہوکر جب سفر میں نکلتے تو

بیچے بعد دیگرے جو جو شہر والے ملتے سب خوشی میں اپنی دکان کا سامان لٹاتے۔ مٹھائی والے مٹھائیاں۔ روٹی والے و نان بائی روٹیاں۔ جوتے والے اپنے کامدار اور خوبصورت زیرپائیاں لٹانے لگتے۔ شیخ جس قدر منع کرتے اسی قدر اور جوش وخروش ترقی پر ہوتا۔ (سیر علماء مولفہ شرر)

۲۔ ساتوں قرأتوں کے ساتھ اکیس مرتبہ قرآن کو علامہ ابن خلدون نے اساتذۂ فن کو سنایا اور فن قرأت میں تبحر پیدا کیا۔ (رسالہ ندوہ ماہ جولائی ۱۹۰۸ء)

تحصیل علم کے لئے غیر ممالک کا سفر

علامہ سید مرتضیٰ حسینی جنہوں نے قاموس کی شرح تاج العروس لکھی ہے۔ یہ فرمایا کرتے تھے هُمْ رِجَالٌ وَنَحْنُ رِجَالٌ۔ اگر علمائے سلف مرد ہو کر باکمال ہو گزرے ہیں تو ہم لوگ بھی تو مرد ہیں۔

چنانچہ وہ وطن میں علم حاصل کر کے عرب جا پہنچے اور گوشہ گوشہ میں یگانۂ عصر علماء کے شاگرد بنے پھر مصر گئے وہاں کے مشہور دارالعلوم اور شیوخ سے تحصیل علوم کر کے جب فارغ ہوئے تو شرح قاموس لکھی۔ چودہ جلدوں میں یہ کتاب مرتب ہوئی۔ شروع میں یہ کتاب ایک ایک روپے میں فروخت ہوئی۔ ان کا وطن پاک ہندوستان کا صوبہ اودھ اور مولد قصبہ بلگرام ہے۔ (مقدمہ تاج العروس جو بنارس کے کتب خانہ میں ہے۔)

وقت کی قدر

۱۔ خطیب بغدادیؒ جن کا تبحر علمی ایک زمانے کو تسلیم ہے جنہوں نے تاریخ بغداد لکھ کر اپنا زندۂ جاوید نام چھوڑا اور جس کے لئے انہوں نے خانہ کعبہ جا کر دعا مانگی۔ (اتحاف النبلاء)

ان کو یہ رتبہ بلند کیونکر ملا؟ اس کا حال ابن جوزیؒ کی زبان سے سنئے۔ فرماتے ہیں۔ کبھی شب و روز ایسی گھڑی نہیں آئی تھی جس میں علم کا یہ نوعمر شیدائی علمی جد وجہد کے سوا کسی اور چیز میں اس کو صرف کرتا۔ حتیٰ کہ اگر کسی خانگی ضرورت سے مجبوراً انہیں اپنا مطالعہ چھوڑنا پڑتا تو کتب احادیث کا کوئی جزو ضرور اپنے ہاتھ میں لے جاتے تاکہ راستہ میں اسے یاد کرتے

جاویں۔ بصرہ، اصفہان، نیشاپور جگہ بجگہ تحصیل کمال کے لئے پہنچے۔

۴۔ وقت عزیز کے بچانے میں فقیہ العصر سلیم بن ایوب کا کتنا عمدہ طریقہ تھا کہ ہر وقت مطالعہ فرماتے اور لکھتے رہتے۔ اگر قلم خراب ہو جاتا اور اس کی اصلاح کرنے لگتے تو اس وقت کچھ وظیفہ ہی پڑھتے رہتے تاکہ وقت کسی کام آجاتے۔ (تہذیب الاسماء جلد اول صـ ۲۲۲)

علم اور معاش

علم دین کے ساتھ بھی وجہ معاش مل سکتا ہے۔ اگر عالم کو حسب منشا کوئی مدرسہ کوئی ادارہ نہ ملے تو اپنی تجارت، صنعت و حرفت اور مختلف پیشوں میں لگ کر اپنی زندگی اچھی طرح گزار سکتا ہے۔ چنانچہ علماء سلف نے اس طرح زندگی گزاری ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ علماء اور جلد سازی

علامہ عبداللہ بن سادہ اپنے زمانہ کے مشہور ذی علم بزرگ تھے۔ "اشبلیہ" میں جلد سازی کر کے گزر اوقات کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے کہ جلد سازی کی مثال سوئی کی مانند ہے جو برہنہ لوگوں کو کپڑا پہناتی ہے اور خود ننگی رہتی ہے۔ آپ کا شعر ہے ؎

شبهت صاحبها بحالة ابرة

تكسو العراة وجسمها عريان

(الفلاکۃ المفلوکون)

۲۔ علماء اور روغن فروشی

حافظ محمد بن حارث جن کی فن تاریخ میں کئی کتابیں ہیں وہ مفلس اس قدر تھے کہ دکان میں تیل فروخت کر کے گزر بسر کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ثالث صـ ۲۰۹)

۳۔ علماء کے مختلف پیشے

امام ابوبکر سکاف (موچی) تھے۔ بعض حلوائی تھے۔ جیسے شمس الائمہ۔ بعض بزاز تھے۔ جیسے محمد بن سیرین بصری۔ بعض سوداگر چرم تھے جیسے ایوب سختیانی۔ بعض کاغذ فروش تھے جیسے مالک بن دینار۔ بعض جامہ باف تھے جیسے زاہد مجمع۔ بعض ٹاٹ بنتے تھے جیسے حسن ربیع لواری (استاد

امام بخاری) بعض ٹھیٹھر تھے جیسے امام ابن جوزیؒ (دیکھو ندوہ ماہ ستمبر ۱۹۱۱ء)

وہ قطب زماں ٹھہرے صغار تھے جو
ابوالوقت ہو گزرے تجار تھے جو (حالی)

مناسب ہے کہ وہ طلبائے کرام جو کبھی علماء کا خطاب پائیں گے۔ اگر غریب ہیں تو اپنے اسلاف کی طرح مختلف پیشہ کر کے گزر بسر کریں اور ہرگز در در کی گدائی شہر شہر بھیک مانگنا اپنا شغل نہ کریں۔ الحذر ثم الحذر۔

اور اگر امیر ہیں تو ان کو اپنی اوسط درجہ کی آمدنی خود کافی ہے اور ہر حالت میں علمی سلسلہ ترک نہ کریں۔

علوم کی ترقی کے اسباب

(الف) خلوص نیت

بھی اس کا ایک سبب ہے۔ اگرچہ اس تمدنی دور میں طلباء کی علمی قابلیت کا امتحان ہوتا ہے۔ لیکن صحابہ کرامؓ کے عہد میں طالبانِ علم سے خلوص نیت کا امتحان ہوتا تھا۔ ایک بار ایک شخص حضرت ابو درداءؓ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں آپ کے پاس صرف ایک حدیث کے لئے آیا ہوں۔ بولے، تجارت وغیرہ کی غرض سے تو نہیں آنا ہوا؟ اس نے کہا نہیں۔ تب حدیث کی روایت فرمائی۔ (ترمذی کتاب العلم)

چنانچہ ذوق علم کے ساتھ خلوص نیت ہی کی کشش تھی کہ ایک حدیث کے لئے سینکڑوں میل کا سفر اختیار کرتے تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہ کا تذکرہ صحیح بخاری شریف میں موجود ہے کہ ایک حدیث کی خاطر مدینہ سے شام تک کا سفر کیا۔ الفاظ یہ ہیں :۔

رحل جابر بن عبد الله مسيرة شهر الى عبد الله بن أنيس فى حديث واحد

یعنی عبداللہ بن انیس کی طرف صرف ایک حدیث کے لئے ایک مہینہ کا سفر جابر بن عبداللہؓ نے اختیار کیا۔ (صحیح بخاری جلد اول باب الخروج فی طلب العلم وجامع بیان العلم لابن عبدالبرؒ جلد اول صـ ۹۳)

اسی طرح حضرت ابوایوب انصاریؓ صرف ایک حدیث کے سماع کے لئے مدینہ سے مصر گئے۔ سماع حدیث کے علاوہ ان کا اس سفر سے اور کچھ بھی مقصد نہ تھا۔ چنانچہ سواری پر اس حدیث کو سنا اور پھر کھڑی سواری واپس ہوآئے (جامع بیان العلم جلد اوّل صہ ۹۴)

(ب) صداقت گفتار و کردار

مشہور واقعہ ہے کہ امام شافعیؒ کا حافظہ کمزور تھا تو آپ نے استاد وکیعؒ سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ اپنے عمل کو مرضی الٰہی کے ماتحت کر دو ہر طرح کے شائبہ فسق و فجور سے اپنے کو منزہ کرو۔ ؎

شَکَوْتُ اِلٰی وَکِیعٍ سُوْءَ حِفْظِیْ
فَاَوْصَانِیْ اِلٰی تَرْکِ الْمَعَاصِیْ
لِاَنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنَ اللّٰہِ
وَنُوْرُ اللّٰہِ لَا یُعْطٰی لِعَاصِیْ

نورِ علم کے لئے ضروری ہے کہ طالب علم رذیل اخلاق، کذب و افتراء، چغل خوری وغیرہ عیوب سے اپنے نفس کو مبرا کرے۔ کیونکہ کوئی نور کثافتوں و گندگیوں کے درمیان جلوہ گر نہیں ہوسکتا۔ علامہ سید رشید رضا مرحوم جو مصر کے استاد اور "المنار" کے مدیر تھے۔ جب ۱۹۱۲ء میں ہندوستان تشریف لائے تو آپ نے اپنی اس تقریر کے دوران جو علی گڑھ کالج میں ہوئی تھی۔ تزئین نفس پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ اپنے نفس کی تربیت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اوّلاً تو خود اپنے نفس کی نگرانی کرے۔ ورنہ کسی مخلص دوست کو اپنا نگران بنالے جو بھول چوک اور غلطیاں یاد دلایا کرے اپنا ایک ذاتی واقعہ بطور مثال بیان کیا فرمایا کہ ایک طالب علم (تعلیم حاصل کرنے کے زمانے میں) میرا ساتھی تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ اگر تم میرا کوئی جھوٹ ثابت کر دو تو اس کی سزا کا تم کو اختیار دیتا ہوں میں اپنی نسبت زبان کی لغزشوں اور شیطان کے وسوسوں سے بالکل بے خوف نہ تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ جھوٹ جو بدترین رذائل اور سخت نقصان دہ ہے۔ اس سے بچنے کے لئے ایک نگران معین ہو کیونکہ نگرانی کی صورت میں مجھے اس خصلت پر ایک قسم کی رکاوٹ محسوس ہوگی۔ چنانچہ بحمد اللہ سالہا سال کی صحبت میں وہ میرا ایک جھوٹ بھی ثابت نہ کر سکا۔ (دیکھو رسالہ

التربیت والتعلیم مطبوعہ علی گڑھ صہ ۹۲)

اپنے گریبان میں منہ ڈال کر ہم دیکھیں کہ ایامِ طالب علمی میں ہر ایک فرد کتنی بار کذب و غلط گوئی کا مجرم بن چکا ہوگا؟ سارے ایام تو درکنار سال تو بہت بڑے وقت کا نام ہے مہینہ نہیں بلکہ ہفتہ کے اندر ہم کتنی دفعہ اس زہر آمیز پالیسی کو اختیار کرتے ہیں۔ ایک علاّمہ موصوف ہیں کہ سالہا سال "کذب" کو جس نے عمداً اختیار کیا نہ سہواً۔ سچ ہے ؎

ع ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

بایں ہمہ اخلاقی خرابیوں وفسق آمیزیوں کے ہم سب کے سب چاہتے ہیں کہ رشید رضا بن جاویں۔ بقول اقبال ؎

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریّا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا واقعہ سب کو یاد ہوگا کہ کس طرح انہوں نے اپنی ماں کے حسب الحکم صداقت کو ہمیشہ کے لئے شعار بنایا چنانچہ ایک بار ڈاکوؤں کے ایک مجمع میں بھی اپنے پاس تیس اشرفی ہونے کا اقرار کرلیا۔ وہ ڈاکو مذاق ہی سمجھے رہے، مگر آپ نے اپنی صداقت منوانے کے لئے ان کو اس کا مشاہدہ کرا دیا۔ بالآخر اسی ایک سچائی کا یہ اثر ہوا کہ ڈاکوؤں نے اپنی مذموم خصلتوں سے توبہ کی۔ (طبقات کبریٰ للشعرانیؒ)

سرخیلِ صوفیہ خواجہ شبلی کی سوانح میں ایک جگہ شررؔ مرحوم نے لکھا ہے کہ آپ نے صدق مقالی، تہذیب نفس وریاضت کو اپنے تلامذہ اور مریدوں کے لئے سخت سے سخت قرار دیا تھا۔ چنانچہ ایسے عقیدت مند اور راست باز مریدان کو ملے جو ہر طرح کی زحمت برداشت کرلیتے، مگر سرمو اپنے تہذیب نفس و صداقت گفتار میں فرق نہ آنے دیتے۔

(شبلی صہ ۹۶ مولفہ شررؔ)

آج بھی اگر کوئی اپنے آپ کو مذموم خصائل ومعاصی سے منزہ کرکے اپنے نفس کو مہذب کرلے تو انوار علم ان کے پاک سینوں میں بھی جگمگا اٹھیں ؎

عَلَيْكَ بِالنَّفْسِ فَاسْتَكْمِلْ سَعَادَتَهَا
فَأَنْتَ بِالنَّفْسِ لَا بِالْجِسْمِ اِنْسَانٌ

(ج) امراء اور حکام کی قدر دانی

۱۔ ایک فرانسیسی مصنف نے اپنی تالیف میں علم کی ترقی کا سبب اسی کو قرار دیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ دسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں عربی علوم و فنون کا چراغ ٹمٹمانے لگا اور قریب تھا کہ گل ہو جاوے، لیکن عضد الدولہ اور شرف الدولہ کی عالی ہمتی نے پھر اس میں تیل ڈالا۔ انہوں نے علوم و فنون کی تحصیل پر لوگوں کو راغب کیا خود بھی متوجہ ہو کر علوم کو حاصل کیا اور علماء کی قدر و منزلت اور خاطر مدارت میں پورے طریقے سے حصہ لیا۔ اکتساب علم و توسیع فن میں ذی مرتبہ امیروں کو مشغول دیکھ کر عوام میں اس کا ذوق عام پیدا ہوا (تاریخ عرب صـ۳۸۲) (مدن پورہ کی شرقیہ لائبریری میں یہ کتاب ہے)

۲۔ دوسری جگہ لکھا ہے کہ ایشیا کے سلاطین اور بادشاہ اپنے درباروں میں علماء و فضلاء کو اعزاز و اکرام کے ساتھ طلب کرتے اور خلعت ہائے فاخرہ اور انعامات سے معزز و ممتاز کرتے۔ اس قدردانی کا یہ اثر ہوا کہ عام طور پر لوگوں میں تحصیل علوم کا شوق و ذوق پیدا ہو گیا۔

(دیکھو تاریخ العرب صـ۴۱۶)

۳۔ علامہ ابن مالک نحوی صاحب الفیہ کے علم و فضل و قوتِ فہم کا ہر وہ شخص قائل ہو سکتا ہے کہ جس نے ان کی کتاب "الفیہ" کو بغور پڑھا اور سمجھا ہو۔ آپ دمشق کے نامی گرامی مدرسہ "عادلیہ" میں درس دیتے تھے۔

علامہ ابن خلکان جو سلطنت کے بڑے عہدے پر ممتاز تھے اور قاضی القضاۃ کے منصب پر سرفراز تھے ان کی یہ قدر کرتے تھے کہ امام ابن مالکؒ جب درس سے فارغ ہو کر گھر کا راستہ لیتے تو فوراً ابن خلکان ان کے پاس پہنچتے اور انہیں اپنے ساتھ لے کر ان کے دروازے تک جاتے۔

جائے غور ہے کہ ابن خلکان جو سلطنت کے عہدہ جلیلہ پر سرفراز ہیں، ایک مدرس کی کتنی تعظیم و تکریم بجا لا رہے ہیں۔ جب با اثر اراکین حکومت یوں قدر دانی کریں تو عوام پھر علماء

کی وقعت کس طرح نہ کرتے مثل ہے:

اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ

۴۔ خلیفہ معتضد باللہ کے دربار میں جہاں تمام امراء اور وزراء دست بستہ کھڑے ہیں وہاں ممتاز علماء اور صرف وزیر اعظم بیٹھے نظر آتے ہیں۔ درباری عالموں میں ایک نامی عالم ثابت بن قرہ بھی تھے۔ ایک دن معتضد باللہ ثابت کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ٹہل رہا تھا کہ دفعۃً معتضد نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ثابت کچھ خوف زدہ سے تھے کہ معتضد نے کہا کہ میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ کے اوپر تھا لیکن چونکہ تم علم وفضل میں مجھ سے بڑھ کر ہو اس لئے تمہارا ہاتھ اوپر ہونا چاہیئے (دیکھو مجموعہ رسائل شبلی صہ ۶۸)

۵۔ خلیفہ مامون نے تو علماء کی قدر دانی میں حد ہی کر دی تھی کہ جس نے منطق اور فلسفہ کے ترجمہ کی کتابوں کو سونے کے برابر وزن کرا کے مترجمین علماء کو علاوہ گراں قدر مشاہروں کے انعام میں دے ڈالا۔ ایک ایک لفظ کی صلاح پر ہزاروں روپیہ دے ڈالتا۔ تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ مامون نے نضر بن شمیل کے سامنے اپنی سند سے ایک حدیث روایت کی مگر سداد کے لفظ کو جو اس حدیث میں تھا فتحہ سے پڑھ گیا۔ نضر نے بالکسر پڑھ کر دہرایا۔ مامون نے کہا کیا بالفتح غلط ہے؟ نضر نے کہا ہاں! مامون نے کہا کہ دونوں کے معنی میں کچھ فرق ہے؟ نضر نے کہا ہاں! سداد بالفتح کے معنی راست روی کے ہیں اور سِداد بالکسر اس کو کہتے ہیں کہ جس سے کوئی چیز روکی جاوے۔ مامون نے کہا کوئی سند پیش کرو۔ نضر نے جاہلیت کا ایک شعر سنایا۔ یہ شعر حماسہ میں موجود ہے۔

ے اَضَاعُوْنِی وَاَیَّ فَتًی اَضَاعُوْا
لِیَوْمِ کَرِیْھَۃٍ وَسِدَادِ ثَغْرٍ

مامون بے حد محظوظ ہوا اور وزیر اعظم کو رقعہ لکھا کہ پچاس ہزار درہم انعام دیا جاوے۔ (تاریخ الخلفاء صہ ۳۲۹ و تہذیب الاسماء جلد ۲ صہ ۱۲۸)

۶۔ اسی طرح یعقوب خلیفہ کے متعلق روایت ہے کہ وہ حفظ احادیث پر شاہی خلعت اور قیمتی ساز و سامان دیتا تھا۔ (مقالات سنیہ صہ ۵۰)

آج اگر کوئی ادب و لغت پر یا دوسرے علوم کے اسرار و نکات پر اپنی تحقیقات پیش کرے، تو کیا ہے کوئی جو گراں قدر انعام کا دینا نہ سہی بلکہ دینے کا خیال و استحقاق ہی دل میں لائے ؟

۷۔ اسی طرح محمد بن تغلق شاہ دہلوی نے جو علمائے حدیث کی قدر دانی کی ہے۔ اس کے واقعات بہت ہیں۔ ایک واقعہ اختصار سے عرض ہے۔

علامہ ناصرالدین ترمذی کی آمد پر شاہ محمد بن تغلق نے صندل کا منبر بنوایا اور سونے چاندی اور یاقوت کے جڑاؤ سے مرصع کیا اور شاہی خلعت پہنا کر منبر پر وعظ کے لئے بٹھایا۔ جب منبر سے امام موصوف اترے تو بادشاہ نے معانقہ کیا اور ہاتھی پر سوار کرایا۔ پھر ایک ریشمی خیمہ میں بٹھایا۔ یہ خیمہ اور اس میں کے سونے چاندی والے برتن دیگ وغیرہ مولانا کو انعام میں دیا اور ایک لاکھ اشرفی نقد عنایت کیا۔ ان برتنوں اور دیگوں میں ایک دیگ سونے کا اتنا بڑا تھا کہ اس میں ایک آدمی باطمینان بیٹھ سکتا تھا۔ یہ سب انعام میں دے دیا۔ (نزہتہ الخواطر صـ۱۳)

ان ہی سب قدر دانیوں سے ہر ایک شخص پوری تندہی و جانفشانی سے تحصیل علوم و فضائل پر مستعد نظر آتا ہے۔ صرف گھوڑے کے اعضاء پر پچاس ہزار جلدوں میں ایک کتاب ابو عبیدہ نے لکھی تھی۔ علامہ اصمعی بارہ ہزار صرف رجز کے اشعار یاد رکھتے تھے۔ اصمعی دربار خلافت میں گھوڑے کے ایک ایک عضو پر ہاتھ رکھتے جاتے تھے اور عرب کے اشعار ہر ہر عضو کے متعلق سناتے جاتے آج ہمارے طلبہ کو پچاس پچاس جلدوں کی تصنیف تو کجا پچاس سطر بلکہ پچاس حرف بھی گھوڑے کے اعضاء کے متعلق یاد نہ ہوں گے۔ مگر اس وقت اصمعی وغیرہ کے قدر دان بھی موجود تھے امام نووی لکھتے ہیں کہ خلیفہ ہارون رشید اصمعی کو امام ابو یوسف سے بھی زیادہ بلند مرتبہ پر سمجھتا تھا۔ اور ویسے ہی طرح طرح کے انعامات و عطیات دے کر ان کی عزت و تکریم بھی کرتا تھا۔ یہ اصمعی فن حدیث میں امام مالکؒ کے استاذ بھی ہیں۔ (تہذیب الاسماء جلد ثانی صـ۲۷۴)

ان سب حضرات کا تبحر و کمال سلاطین و ذی رتبہ امیروں کی قدر دانیوں اور عام عزت افزائیوں کا بھی مرہونِ منت ہے۔

۸۔ شیخ رکن الدین ملتانی اسی ہندوستان کے بزرگ امام و عالم فاضل گزرے ہیں ۔

سلطان علاؤالدین خلجی کے بلانے سے کئی بار دہلی آتے۔ تشریف آوری کے دن تین لاکھ اشرفی آپ کو پیش کیا جاتا اور رخصتی کے دن پانچ لاکھ اشرفی کی مزید نذر گذاری جاتی اور شیخ اس کو قبول فرماتے۔ (نزہتہ الخواطر ص ۷ ج ۱)

۹۔ اسی طرح سلطان محمد تغلق بھی علمائے ہند کی ازحد قدر دانی کرتا۔ علمائے دین سے احادیث نبویہ کو سنتا اور سونے کی سینی میں دو دو ہزار اشرفی مع سینی کے نذر کرتا۔
(نزہتہ الخواطر ص ۶۹)

نوٹ۔ علمائے سلف میں امام شافعیؒ، امام زہری، امام شعبی، عکرمہ، حسن بصری، امام مالکؒ وغیرہ ائمہ کی جو قدر دانی سلاطین وقت نے کی ہیں۔ ان کا مفصل حال علماء سلف اور عطیات و وظائف میں دیکھیے گا۔

۱۰۔ اس دور میں اہل علم خود بھی دوسرے اہل علم کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ چنانچہ امام نوویؒ ناقل ہیں کہ جب امام سفیان ثوری کو امام اوزاعی کی آمد کی اطلاع پہنچی تو اپنے مکان سے آگے جا کر مقام ذی طویٰ میں ان سے ملاقات کی اور امام اوزاعی کے اونٹ کی نکیل اپنی گردن میں ڈال لی۔ اور شیخ کی تعظیم و تکریم میں لوگوں سے کہتے جاتے شیخ وقت کی آمد ہے راستہ چھوڑتے جایئے ظاہر ہے سفیان ثوری خود ہی بہت بڑے جلیل الشان امام ہیں، لیکن اس زمانہ میں ایک عالم دوسرے عالم کی تکریم و تعظیم میں عار نہیں سمجھتا تھا۔ (تہذیب الاسماء جلد ا ص ۳۰، و فتح المغیث للسخاویؒ)

۱۱۔ حضرت زید بن ثابتؓ کا انتقال ہوا تو اس وقت کے سب سے بڑے عالم حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان کی علمی جلالت شان کے اعتراف میں فرمایا: دفن الیوم علم کثیر (تہذیب الاسماء جلد اول ص ۲۰۱)

۱۲۔ حضرت سفیان ثوری کے بھائی کا انتقال ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ ان کے پاس تعزیت میں گئے حضرت سفیان ثوری نے امام صاحب کا استقبال فرمایا اور تکریم و تعظیم کرتے ہوئے امام کو اپنی جگہ پر لا کر بٹھایا اور خود سامنے بیٹھ گئے۔ کچھ لوگوں نے اختلاف مسلک کے باوجود اس طرح کے برتاؤ پر تعجب کا اظہار کیا تو سفیان ثوری نے فرمایا مجھے ان کے علم کا احترام لازم ہے۔ اگر اس

کا لحاظ بھی نہ کروں تو مجھے ان کی نفاہت کا لحاظ لازم ہے اگر اس کا بھی لحاظ نہ کروں تو مجھے عمر میں ان کے بڑے ہونے کا احترام ضروری تھا۔ اگر اس سے صرف نظر کرلیں تو پھر ان کے ورع و تقویٰ و تدین کا لحاظ لازم ہے۔ (تہذیب الاسماء جلد ثانی صہ ۲۲۰)

۱۳۔ امام ابوالعالیہؒ ایک مشہور تابعی اور آزاد کردہ غلام ہیں جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مجلس میں پہنچ جاتے تو حضرت ابن عباس ان کو اپنے پاس بلا کر اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتے بحالیکہ عرب کے معزز خاندان کے لوگ فرش تخت کے نیچے زمین پر ہوتے (تذکرۃ الحفاظ جلد اول ۵۸)

۱۴۔ مجاہد بن جبیر آزاد کردہ غلام ہیں۔ آپ کا شمار اجلّہ اہل علم و فضل میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر جیسے معزز صحابی حضرت مجاہد کی رکاب تھام کر چلتے حالانکہ مجاہد اس سے منع کرتے۔ مگر حضرت ابن عمر اس کو وجہ سعادت سمجھتے۔ (تذکرۃ جلد ا صہ ۸۶)

۱۵۔ خلیفہ ہارون رشید کے ساتھ مقام رقہ میں ملکہ زبیدہ بھی موجود تھی، اتفاق سے حضرت عبداللہ بن مبارک کی تشریف آوری رقہ میں ہوئی۔ امام کی آمد پر ایک شور و غل کی آواز بلند ہوئی ملکہ زبیدہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ حافظ الحدیث عبداللہ بن مبارک رقہ میں آ رہے ہیں۔ اہل شہر ان کے استقبال میں بھاگ دوڑ کر رہے ہیں، ملکہ نے فرمایا ھٰذَا وَاللّٰہِ اَلْمُلْکُ قسم بخدا بادشاہ تو ان کو کہتے ہیں۔ ان کے سامنے ہارون کی بادشاہت ہیچ ہے کیونکہ امام کی تکریم و تعظیم میں آدمی بے تابی اور اشتیاق سے دوڑ رہا ہے اور ہارون کی آمد پر آدمی صرف پولیس و حکام کے ڈر سے آتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد جلد دہم)

۱۶۔ حضرت ابومعاویہ الضریر ایک نابینا محدث تھے ہارون رشید نے ابومعاویہ سے بھی احادیث کا سماع کیا تھا۔ ایک دن کا حال ابومعاویہ نے حضرت علی بن مدینیؒ (امام بخاریؒ کے استاذ) سے اس طرح بیان کیا کہ کھانا کھا کر میں جب فارغ ہوا تو ہاتھ دھلنے لگا میں تو نہ سمجھ سکا کہ میرا ہاتھ کون دھلا رہا ہے۔ لیکن ہارون نے خود پوچھا کہ مولانا آپ کا ہاتھ کس نے دھلایا ہے؟ فرمایا مجھے کیا علم ہو سکتا ہے۔ ہارون نے کہا میں نے آپ کا ہاتھ خود ہی دھلایا ہے۔ اجلالاً للعلم اور آپ کے علم کا احترام ہی میرے پیش نظر ہے۔ (تاریخ خطیب جلد چہارم صہ ۹)

بانیانِ مدارس سے ایک گزارش

پہلے تو یہ جانئے غور ہے کہ علوم دینیہ اور علم عربی کی تحصیل آج بھی ضروری ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق علامہ شبلیؒ کے ایک مضمون کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔ وہ لکھتے ہیں:

"آریہ انگریزی کی تعلیم میں اس تیزی سے ترقی کر رہے ہیں کہ مسلمان ان کے گرد تک نہیں پہنچ سکتے۔ تاہم وہ گروکل (مذہبی اسکول) قائم کر رہے ہیں جو سنسکرت کی تعلیم کے لئے مخصوص ہے اور جس کا مقصد صرف اپنے مذہب اور اپنے لٹریچر کی اشاعت ہے۔ اس گروکل میں جو لڑکے داخل ہوتے ہیں چوبیس برس کی عمر تک ان کو تعلیم دی جاتی ہے۔ ان کو سادی اور خشک غذا ملتی ہے۔ لکڑی کے بنے ہوئے تختے سونے کے لئے ملتے ہیں۔ اس جفاکشی اور دنیاوی بے تعلقی کے باوجود تین سو دولت مندوں نے اپنے بچے اس میں بھیجے ہیں اور ۲۴ روپے ماہوار ہر ایک بچے کا خرچ دیتے ہیں۔ غرض اگر یورپ کی بایں دنیا طلبی پادریوں کی حاجت ہے۔ آریوں کو بایں انگریزی خوانی گروکل کی ضرورت ہے تو مسلمانوں کو بھی عربی اور مذہبی تعلیم کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک مسلمان قوم کا باقی رہنا ضروری ہے۔" (رسالہ ندوہ ماہ اگست ۱۹۱۱ء)

اس سلسلہ میں بانیانِ مدارس سے یہی گزارش ہے کہ آپ اپنے مدرسہ سے قابل و فاضل ترین اشخاص کی کثیر تعداد پیدا نہ ہو سکنے پر افسوس نہ فرمائیں اور نہ ہی اپنے روپے کو بے کار سمجھیں اور اس وجہ سے بھی نہ گھبرائیں کہ ہمارے مدرسے سے آج تک کوئی لائق اور نامور طالب علم پیدا نہ ہوا؟ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مستقبل میں کوئی درخشندہ ستارہ یا نیّر تاباں پیدا ہو جائے۔

آیئے! غور کیجئے! نظامیہ بغداد کا ایک مشہور مدرسہ ہے۔ وزیر اعظم نظام الملک کا بنایا ہوا ہے۔ ایک لاکھ روپیہ ماہانہ اس کے اساتذہ اور طلباء پر خرچ ہوتا ہے۔ قاضی سلیمان صاحب پٹیالوی مرحوم کے انگریزی روپیہ سے حساب شماری کے مطابق اس یونیورسٹی کے لئے تین کروڑ روپیہ سالانہ کی جاگیر دوامًا وقف تھی۔ کیا آپ فرما سکتے ہیں کہ اس مدرسہ کا ہر طالب علم قابل

دیکھنا ئے روزگار ہی گزرا ہے۔ اگر ہیں تو ان کا نام لیجئے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض نامی گرامی طلباء بھی اس یونیورسٹی سے پیدا ہوتے۔

شیخ مصلح الدین شیرازی علامہ سعدی صاحب گلستان و بوستان اسی مدرسہ کے طالب علم ہیں، چنانچہ نظامیہ کے طالب علم ہونے کا ذکر آپ بوستان میں اس طرح کرتے ہیں ؎

مرا در نظامیہ ادرار بود
شب و روز تلقین و تکرار بود

اسی مدرسہ کے طالب علم امام غزالیؒ بھی تھے (دیکھو رسائل شبلیؒ ص ۶۶)

بس جس طرح لاکھوں کروڑوں روپیہ سالانہ کے خرچ پر ہزاروں سے ایک فاضل روزگار کا اوسط حساب بیٹھتا ہے۔ اسی طرح قانون قدرت کے مطابق اب بھی یہ الٰہی بندوبست جاری رہے گا۔ اس لئے پست ہمتی و حیلہ سازی کسی نوع سے بھی آپ کے لئے روانہ ہوگی جس طرح کالجوں اور یونیورسٹیوں کے سب طالب علم محمد علی جوہر اور اقبالؒ نہیں بنتے اور باوجود اس کے کالج پر کالج، یونیورسٹی پر یونیورسٹیاں کھلتی جاتی ہیں۔ اسی طرح عربی درس گاہوں کا حال سمجھا جاوے۔

(نوٹ) نظامیہ نام کے نو مدرسے تھے۔ بعض میں ایک لاکھ روپیہ سالانہ صرف ہوتا اور بعض مدرسہ میں چھ لاکھ اشرفی سالانہ کا خرچ تھا۔

علمائے سلف کی علمی و تصنیفی کاوش

جہاں علمائے سلف کی علمی کاوش اور جد و جہد کے واقعات حیرت انگیز ہیں اسی طرح یہ امر بھی نہایت حیرت انگیز ہے کہ یہ ائمہ باوجود اپنے اشغال کثیرہ کے روزانہ تصنیف بھی اسی حد تک کر لیتے تھے کہ آج صرف اس کام کے کرنے کے لئے اگر کوئی تیار ہو تو بمشکل تمام بھی ایسے پُر مغز تصانیف کے لکھنے پر قادر نہ ہو سکے گا۔

۱۔ امام رازی کے روزانہ تصنیف کی مقدار کم و بیش بیس صفحے ہوتے ہیں اور ہر صفحہ میں باریک خط کی ۳۱ سطریں ہیں۔

امام رازی سورۃ   میں لکھتے ہیں کہ رمضان ۶۰۱ھ میں تمام ہوئی۔ اس کے

بعد سورۃ توبہ کی تفسیر کے خاتمے پر لکھتے ہیں کہ ۴ ار رمضان ۱۱۶۰ھ میں تمام ہوئی۔ سورۃ توبہ کی تفسیر مصری چھاپہ کے نسخہ میں ۳۹۳ صفحوں میں آتی ہے۔ ہر صفحہ باریک خط کی ۴۱ سطر پر ختم ہے اس حساب سے روزانہ تصنیف بیس صفحہ کے قریب ہوتی ہے۔

۲۔ یہی حال کثرت تصانیف میں محمد بن جریر طبریؒ کا ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی تصنیفات کا اوسط روزانہ چالیس ورق (۸۰ صفحات) نکلتا ہے۔ (تہذیب الاسماء جلد اول ص۹)

۳۔ علامہ نوویؒ نے ایک مستند شخص سے نقل کیا ہے کہ میں امام غزالیؒ کی روزانہ تصنیف کا اوسط ان کی عمر کے حساب سے لگایا ہے تو اس حساب سے ۱۶ صفحہ روزانہ ہوا۔ جو امام صاحب کے بے شمار مشاغل، سفر، تدریس، افتاء و دیگر معاملات کے ساتھ نہایت ہی حیرت انگیز ہے (الغزالی مؤلفہ شبلی ص ۳)

۴۔ علامہ ابن تیمیہؒ جو بارہا تنگ و تاریک قید خانوں میں بھیجے گئے۔ تا حدامکان آپ نے وہاں بھی تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ قرآن کریم کے اسرار و نکات جیل خانہ کی مرتب کردہ تفسیروں میں آپ نے لکھے۔ اہل فتویٰ کو مدلل فتویٰ اور خطوط لکھے۔ آپ کی پُرمغز تصانیف کی مقدار پانچ سو تک بیان ہیں جن میں سے بعض کتاب کئی کئی جلدوں میں ہیں۔

(اتحاف النبلاء)

۵۔ علامہ ابن الجوزیؒ جو اسلام میں بہت بڑے نامور جادو بیان گزرے ہیں۔ ان کی تصنیف کی کثرت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے کہ جب آپ کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو آپ نے وہ تراشۂ قلم نکال کر لوگوں کے سپرد کیا جسے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کے وقت قلم بنانے میں جمع کیا گیا تھا اور فرمایا میرے نہلانے کے لئے اسی تراش قلم کو جلا کر گرم کرنا۔ چنانچہ حسب وصیت اسی تراشہ سے پانی گرم کر کے آپ کو نہلایا گیا۔

(ملاحظہ ہو مقدمہ تحفۃ الاحوذی)

اللہ اکبر! جیسے ان بزرگوں نے اپنے جسم و جان کو راہ علم پر وقف کر دیا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو دائمی پھل دیا اور تا ابد ان کا نام دنیا میں بھی زندہ رکھا اور ہم جیسے کندۂ ناتراش طلباء جس طرح اپنے زمانے کو ضائع کرتے ہیں۔ اسی طرح زمانہ ہم کو ضائع کر رہا ہے۔ سچ ہے ؎

تا مثل حنا سودہ نہ گردی تہ سنگ
ہرگز بکف لعل نگارے نہ رسی

یک فنی علمائے کرام

عہد رسالت مآب ہی سے یہ تقسیم چلی آئی ہے کہ خاص خاص لوگ خاص خاص علم وفن میں زیادہ کامل ہوتے تھے۔ ترمذی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کے متعلق خود فرمایا تھا: افرضکم زید بن ثابت اسی بناء پر عمر فاروقؓ کا عام حکم تھا۔ من اراد ان القرآۃ فلیات ابیاً ومن اراد ان یسئال الفرائض فلیات زیداً ومن اراد ان یسئال الفقہ فلیات معاذاً الخ۔ (تذکرۃ الحفاظ و فتح المغیث و کتاب الاموال لابی عبید قاسم بن سلامؒ)

یعنی فن قرأۃ کے مسائل میں ابی بن کعب کی طرف اور مسائل میراث میں زید کی طرف اور فقہی مسائل میں معاذ کی طرف رجوع کرو۔

اس روایت سے یہ صاف معلوم ہوا کہ عہدِ صحابہؓ میں خاص خاص فنون کے اندر مہارت رکھنے والے ہوتے تھے۔ جن کو بہ نسبت دوسرے علوم کے اس میں زیادہ امتیاز حاصل رہتا تھا۔ مسلمانوں میں دور آخر میں اور بھی فرق ہو گیا۔ دیکھئے امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ صرف فقاہت میں ممتاز تھے، امام مالکؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ فقیہ ومحدث تھے۔ کندی، فارابی، ابن سینا صرف فلسفی تھے۔ کسائی، سیبویہ، خلیل صرف نحوی ہیں۔

علامہ زمخشری زیادہ تر نحوی مسائل کے لحاظ سے ممتاز ہیں۔ تاریخ سے ان کو کوئی واسطہ نہیں ہے۔ (الفاروق حصہ دوم ص ۱۷۲)

علامہ ابوحاتم سجستانی صرف علم قرآن کے ماہر شمار کئے گئے ہیں۔ علم نحو میں مازنی بہت مشہور گزرے ہیں۔ امام شاذکونی فن حدیث میں بڑا پایہ رکھتے ہیں۔ زیادی نقل وحکایت میں بے مثل عالم ہیں۔ ابن صبی شاہی فرامین لکھنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ (سیر علماء مصنفہ مختصر)

لیکن آج کل کے طلباء طلب الکل فوت الکل کے صحیح اصول کے مطابق ہر فن و ہر علم میں

مصروف ہو کر کسی ایک فن میں بھی مہارتِ تامہ نہیں پیدا کر پاتے۔ اس کی وجہ علمائے سلف کے اس زرّیں طرزِ عمل سے چشم کوری ہے۔

طلب حدیث میں کثرت شیوخ و تلامذہ

علماء سلف کے اخذِ علم میں یہ بیان بھی ملتا ہے کہ وہ طلب حدیث کے سلسلے میں ہر جگہ پہنچ کر وہاں کے مشہور شیوخ سے حدیث لیتے۔ چنانچہ امام ابو اسحاق سبیعیؒ نے احادیث کو چار سو شیوخ سے حاصل فرمایا (تہذیب الاسماء جلد ثانی صہ ۱۷۰) اور مشہور امام عبد اللہ بن مبارکؒ وہ شیوخ چار ہزار تھے جن سے حدیث کو حاصل فرمایا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد اول صہ ۲۵۲)
حضرت امام مالک بن انسؓ کے شیوخ نو سو کی تعداد میں تھے۔ (تہذیب الاسماء جلد ثانی صہ)
امام ہشامؒ نے احادیث کو ایک ہزار سات شیوخ سے حاصل فرمایا تھا۔ امام ابو نعیم اصفہانی نے آٹھ سو شیوخ سے درس حدیث لیا تھا (بحوالہ طبقات الحفاظ تذکرہ ہشام و ابو نعیم)

علم کی راہ میں خرچ

۱۔ امام عبد اللہ بن مبارکؒ نے طلب حدیث میں چالیس ہزار درم خرچ فرمایا تھا۔
(تذکرۃ الحفاظ)

۲۔ امام یحییٰ بن معین نے طلب حدیث میں اپنا سامان گھر کا اثاثہ بیچ بیچ کر ایک کروڑ پچاس لاکھ درم خرچ کر دیا تھا۔ گھر میں کچھ باقی نہ رہا تھا۔ حتیٰ کہ ایک جوتی بھی نہ تھی۔ پس ننگے پاؤں چلا کرتے۔ (تہذیب الاسماء جلد ثانی صہ ۱۵۶)

امام ذہبیؒ نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ کیا تھا۔ حدیث کے سلسلہ میں (تذکرۃ الحفاظ جلد دوم صہ)
اور مشہور امام علامہ خطیب بغدادیؒ نے بیس کروڑ دینار طلب حدیث میں خرچ فرمایا (بحوالہ معجم الادباء جلد اول صہ ۲۵۵)

اللہ اکبر! ہمارے دورِ سلف کے طلبائے کرام کس طرح اپنے زرِ نقد کو علم کی خاطر لٹاتے تھے آج یہ شوق علم عربی کی تحصیل میں امرائے زمانہ کا کہاں باقی رہ گیا۔ انگریزی علوم کے لئے البتہ روپیہ

خرچ کرتے ہیں مگر علم عربی کے سلسلہ میں اب روپیہ خرچ کرکے بچوں کو پڑھانا سخت مشکل ہے۔ معجم الادباء میرے پاس نہیں ہے۔ یہ حوالہ حیدرآباد کے مطبوعہ رسالہ مقالاتِ سنیہ صـ۲۴۴ سے ماخوذ ہے۔ اصل عبارت یہ ہے۔ والخطیب البغدادی قد بذل لطلب الحدیث عشرین[1] الف الف دینار

علمائے ذی شان کے تلامذہ کی کثرت

۱۔ امام ابن سیرین کے چار ہزار تلامذہ تھے (مقالات سنیہ صـ۲۴۵)

۲۔ بروایت فربری امام بخاریؒ کے ۹۰ ہزار تلامذہ تھے (مقدمہ فتح الباری)

۳۔ امام عاصم بن علی کی مجلس میں املاء حدیث لکھنے والے ایک لاکھ انسان تھے (فتح المغیث للسخاوی صـ۳۱۵) یہ حاضرین جگہ کی پیمائش سے معلوم کئے گئے۔

۴۔ ابو مسلم کجی کی مجلس حدیث میں عام سامعین و حاضرین کے علاوہ چالیس ہزار قلم و دوات سے لکھنے والے تھے۔ (فتح المغیث صـ۳۱۵ و مقدمہ تحفۃ الاحوذی)

عہدِ سلف میں محدّثہ عورتیں

صنف نازک کی وہ محترم خواتین جنہوں نے علم حدیث پڑھا اور پڑھایا، ان کی تعداد بھی بہت ہے۔ درر کامنہ میں ان کا شمار حافظ ابن حجرؒ نے کیا ہے۔ ان میں وہ محدثہ بھی تھیں جنہوں نے امام احمد بن حنبلؒ اور علامہ سیوطیؒ، خطیب بغدادی ابن عساکر جیسے اجلہ کو درس حدیث دیا ہے۔

ایک سو ستر محدثہ صاحباتِ درس و تدریس خواتین کا تذکرہ جو ۸ویں صدی میں گزری ہیں حافظ ابن حجرؒ نے درر کامنہ میں مفصلاً فرمایا ہے۔ درر کامنہ صرف مائۃ ثامنہ کے بزرگوں کے حالات میں ہے۔ کچھ تذکرہ مقالات سنیہ صـ۲۴۸ میں بھی ہے۔

---

[1] عشرین الف الف کا ترجمہ بیس کروڑ غلط معلوم ہوتا ہے۔ اس کا صحیح ترجمہ دو کروڑ ہے۔ ۱۲ عبدالعلیم ماہر

اقوال سلف متعلقہ علم

امام شافعیؒ فرماتے ہیں طلب العلم افضل من النافلۃ علم کا طلب کرنا اور اس کی تحصیل میں رہنا نفلی عبادات سے بہتر و اعلیٰ ہے اور ارشاد ہے۔ لا بد للعلم الطلب عن المهد الی اللحد وفی صرف جمیع الاوقات الی التحصیل انه اذا مل عن علم اشتغل بآخر. کما قال ابن عباس اذا مل من الکلام مع المتعلمین هاتوا دیوان الشعراء فعلیک ان تغتنم من ازمان العمر ایام الشباب ومن الاوقات ما بین العشائین واوقات السحر۔ پیدائش سے لے کر قبر میں جانے تک علم کی تلاش چاہیئے اور تمام وقت کو علم میں اس طرح لگانا چاہیئے کہ جب ایک علم کے مطالعہ سے طبیعت اکتانے لگے تو دوسرے فن کی کتاب جس سے دلچسپی ہو مطالعہ کرنے لگ جائے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس پڑھاتے پڑھاتے تھک جاتے تو شعراء عرب کے دواوین پڑھنے لگتے دیوان غالب، مسدس حالی، کلام اقبال، کلیات اکبرالہ آبادی وغیرہ بھی اسی قبیل اور ایسے ہی موقعہ پر پڑھنے کے لئے بہتر ہیں) جوانی کا زمانہ اور فجر اور مغرب کے بعد کے اوقات بہت غنیمت ہیں (مفتاح السعادۃ وفتح المغیث للسخاوی ص ۳۲۰)

ہمارے علماء نے اس پر عمل کر دکھایا۔ تلبیس ابلیس میں علامہ ابن الجوزیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اخیر عمر تک حتیٰ کہ بڑھاپے میں بھی قلم دوات سامنے رکھتے اور علمی تصانیف لکھتے رہتے۔ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ یہ دوات کب تک الگ نہ ہوگی؟ فرمایا یہ میرے ساتھ قبر میں جانے تک رہے گی (تلبیس ص ۲۵۱) یہ تھا ہمارے اسلاف کا علمی شغف و اشتغال آج کل ہمارے عہد کے طلباء وقت کو شب و روز علمی کاموں پر خرچ کرنا بھول گئے تو وقت نے ان کو بھی بھلا رکھا ہے ؎

جب سے دل زندہ تو نے ہم کو چھوڑا
ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی

محنت کا ثمرہ

ناظرین کرام! آپ جس قابل تعریف کام پر نظر ڈالیں گے اس میں آپ کو محنت اور صرف محنت ہی کی کار فرمائی جلوہ گر نظر آئے گی۔ دنیا کے کاموں کے اور تمام شعبوں سے قطع نظر کر لیجئے۔ اور صرف علمی دنیا میں آیئے اور ایک نظر دوڑایئے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ وہ نامی گرامی حضرات جن کے نام کو آپ جب یاد کرتے ہیں تو تا دیر ان کی شخصیت کی پوری عظمت دل میں جمی رہتی ہے وہ صرف اس لئے لائق عزت و قابل مدح ہیں کہ انہوں نے سرمایۂ محنت کو اپنے ہاتھ میں رکھا اور کوئی وقت ایسا نہیں گزرا جسے وہ بے کاری میں گزار رہے ہوں۔ ہم آج اسی چیز کو آپ کے سامنے رکھ کر عام ناظرین سے عموماً اور طلبائے کرام سے خصوصاً درخواست کریں گے کہ اگر واقعی آپ اہل علم ہونا چاہتے ہیں اور کمال حاصل کرنے کا شوق رکھتے ہیں، تو آیئے تحصیل علم میں وہ طریقے اپنے پیش نظر رکھئے جن کو ان بزرگ و مقدس حضرات نے اپنے طلب علم میں رکھا تھا کہ جن کے نام نامی سن کر ہم دنگ رہ جاتے ہیں۔ سنیئے! خدا کی عادت جاریہ ہے کہ وہ نیک کام کی کوشش کو عبث و رائیگاں نہیں فرماتا، ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا، اور قاعدہ کلیہ بتا دیا۔ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔

۱۔ امام الہمام قدوۃ الانام رئیس المحدثین امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات پر غور کیجئے کہ آپ اپنے لڑکپن کے زمانے ہی سے تحصیل علم میں لگتے ہیں اور تا حیات اسی سلسلہ میں لگ کر تمامی مصائب و تکالیف کو آپ نے بخوشی برداشت فرمایا۔ تا آنکہ امیر المومنین فی الحدیث کا باعزت و ممتاز لقب آپ کی ذات بابرکات کو دیا گیا اور آپ کی صحیح بخاری کو بالاتفاق "اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ الْبُخَارِیُّ" کا مشہور لقب حاصل ہوا۔ آخر کون سی چیز تھی جو انہیں اس مرتبہ پر پہنچا گئی۔ دل سے یہی آواز نکلتی ہے کہ "طلب صادق" کون نہیں جانتا کہ آپ نے احادیث کے طلب میں تمام درس گاہیں چھان ڈالیں۔ بصرہ، کوفہ، بغداد، شام، مصر، ہرات، مکہ و مدینہ ان تمام مقامات کا آپ نے دورہ کیا ہے، سفروں میں جھنجھٹے باندھ باندھ کر مسافت کو طے

فرمایا ہے، آج کی طرح آسانیاں نہ تھیں گاڑی موٹر وغیرہ کی آسانیاں اگر ہوتیں تو نہیں معلوم آپ کا سفر مبارک کہاں تک پہنچ گیا ہوتا (حسن البیان صہ ۱۶۷ و سیرت البخاری صہ ۲۲ و مقدمہ فتح الباری)
سن شعور تک پہنچنے سے پہلے والد کا انتقال ہو گیا۔ والدہ نے ان کو تعلیم دلایا۔ اس لئے امام بخاریؒ یتیم تھے۔

الحمدللہ امام بخاریؒ کی مساعی جمیلہ اور تصنیف صحیح بخاری کے سلسلہ میں مَیں نے ایک مبسوط رسالہ بھی لکھا ہے اس کا نام نصرۃ الباری فی بیان صحۃ البخاری ہے اور یہ طبع ہو ہو چکی ہے۔

غرض امام مسلم وامام ابو داؤد وامام ترمذی نیز تمام ائمہ عظام کو دیکھو کہ ان کو یہ رتبہ علیہ ان کی محنت کی بدولت ہی عطا فرمایا گیا ہے۔

۲۔ شارح بخاری حافظ ابن حجرؒ کے حالات پر غور کرو کہ اپنی یتیمی کے زمانے میں جب کہ آپ چار برس کے تھے۔ مکتب میں تحصیل علم کے لئے بیٹھے اور سن شعور کو پہنچتے ہی طلب علم کے لئے اس زمانے کی کل مشہور دارالعلوم مثلاً اسکندریہ، شام، حلب، رملہ، بیت المقدس، یمن وغیرہ پہنچے، اور رات دن کے کل اوقات اسی شغل میں وقف فرما دیئے، تا آنکہ ڈیڑھ سو کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ کا کوئی وقت ان سہ گانہ امور سے خالی نہیں تھا یا مطالعہ یا تصنیف یا عبادت (مسک الختام مطبوعہ بھوپال صہ ۴ و اتحاف النبلاء)

۳۔ حضرت علامہ تفتازانیؒ کے حالات پر غور کیجئے آپ خود اپنی کتاب "تلویح" میں لکھتے ہیں کہ میں گرمی کے سخت ترین مہینوں میں بھی اور رات کے تاریک ترین وقتوں میں بھی دیر دیر تک طلب علم و تحریر میں مشہور رہتا تھا۔ چنانچہ آپ کی عبارت یہ ہے:۔

فَطَفِقْتُ اَتَّتَجِمُ مَوَارِدَ السَّهَرِ فِی ظُلَمِ الدَّیَاجِرِ وَاَحْتَمِلُ مُکَابِدَ الْفِکْرِ فِی ظَمَأِ الْهَوَاجِرِ۔ یعنی میں اندھیری راتوں میں رات کی رات جاگتا رہتا اور دن کو دھوپ و گرمی کے وقتوں میں برابر غور و فکر میں لگا رہتا (تلویح مصری صہ ۲)

یہ تھی ان علماء کی شان جن کی ذات علمی دنیا میں نصف النہار کی طرح مشہور ہے افسوس ہم پر ہے کہ بایں ہمہ بے مائگی آرام طلبی ہی کے اسباب ڈھونڈ رہے ہیں۔

۴۔ مُلّا محب اللہ بہاری صاحب سُلّم و مسلم الثبوت، اپنی محنت و کوشش کی بابت خود اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ میں نے اصولِ فقہ کی تحصیل میں اپنی عمر کو صرف کر دیا اور اپنی نظر اس کے لئے وقف کر دی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

كُنْتُ صَرَفْتُ بَعْضَ عُمْرِيْ اِلٰى تَحْصِيْلِ مَطَالِبِهٖ وَكَلَّفْتُ نَظْرِيْ اِلٰى تَحْقِيْقِ مَا رِبِهٖ۔ یعنی اپنی نظر و فکر اور اپنی زندگی کو اس کے لئے خرچ کر دیا۔ (دیکھئے مسلم الثبوت ص ۵)

۵۔ محمد بن ابراہیم صدر الدین شیرازی اپنی کتاب صدرا میں لکھتے ہیں کہ میں علوم عقلیہ کے حاصل کرنے میں زمانہ دراز اپنی عمر کا صرف کر دیا اور برابر تمام کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا۔ فلسفہ کے تمام مباحث محفوظ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ خدا کی عنایت سے اس کتاب کو لکھنا شروع کیا چنانچہ لکھتے ہیں:۔

صرفتُ شطراً مِنْ عُمْرِيْ فی تحصیلها و برهةً من دهری فی البحث عن اجمالها و تفصیلها وکنت شدید الاشتغال من سابق الاوان کثیر التوجه من اول الی یعان۔ یعنی پہلے ہی زمانہ سے میں اس علم میں سخت مشغولیت رکھتا تھا اور شروع نو عمری سے اپنی کل توجہ صرف کر چکا تھا۔ تب اس کتاب کے لکھنے کی نوبت آئی۔ (صدرا ص ۳)

۶۔ مولانا عبد العلی لکھنوی جنہیں آج دنیا بحر العلوم سے یاد کرتی ہے۔ رسالہ قطبیہ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:۔

صَرَفْتُ شَطْرًا مِنْ عُمْرِيْ وَبُرْهَةً مِنْ دَهْرِيْ مُذْ مِيْطَتْ عَنِّي التَّمَائِمُ وَنِيْطَتْ عَلَى الْعَمَائِمُ فِيْ اقْتِنَاصِ شَوَارِدِ الْمَعْقُوْلَاتِ۔ کہ میں نے فن معقول کے مشکل مباحث کے حاصل کرنے اور اس کو حل کرنے میں اپنی زندگی اس وقت سے وقف کر دی جب کہ میری لڑکپن کی تعویذ اتار دی گئی اور عمامے مجھ پر باندھ دیئے گئے (حاشیہ رسالہ میر زاہد ص ۳)

۷۔ شیخ اکبر رئیس بو علی سینا کہ جس نے دینی و دنیوی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی اور بخارا میں فلسفہ اور طب کی تعلیم پائی۔

سترہ برس کی عمر میں ایک بادشاہ کے کامیاب علاج کے سبب شاہی کتب خانہ کا مہتمم قرار پاتے۔ وہ اپنی زندگی کے ہر لمحہ سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ دن کو دیگر ضروریات وطلبا کے درس میں مصروف رہتے تھے۔ رات کو ہاتھ میں قلم اور پہلو میں جام رکھتے (تاکہ نیند نہ آئے) اس طرح تصنیف وتالیفات میں مصروف رہتے تھے۔ اس فرصت میں کتاب الشفا یا قانون الطب لکھی۔ سفر میں وہ کتابوں کا خلاصہ کرتے اور چھوٹے چھوٹے رسالے لکھتے رہتے اور ایک معین وقت میں مذہبی مضامین کو دلچسپ طرز میں تحریر کرتے تھے۔ (تاریخ فلسفۂ اسلام صہ ۹۶)

عبدالکریم شہرستانی اپنی کتاب "ملل ونحل" میں لکھتے ہیں :۔

وكانت طريقةُ ابنِ سِينَا اَدَقَّ عند الجماعة ونظرُه في الحقائق اَغْوَصُ وَكَانَ هُوَ علاَّمَةُ القَوْمِ۔ یعنی بو علی سینا کا طریقہ اپنی متانت کے ساتھ دقیق بھی بہت ہے اور اس کی نظر حقیقت اشیاء کی معرفت میں زیادہ عمیق ہے اور تمام حکما وا طباء کا پیشوا سمجھا گیا ہے۔ (ملل ونحل جلد رابع صہ ۱۸ مصری) اس کی مشقت ومحنت کی بابت یہ شعر مشہور ہے ؎

پنجاہ ودو سال صرف کردم شب وروز
معلومم شد کہ ہیچ معلوم نشد

یعنی اپنی زندگی کے باون سال اسی علمی کام میں لگا دیئے اور رات ودن کی کل گھڑیوں میں مشغول رہا لیکن پھر بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کچھ نہیں معلوم ہوا۔

یہ ہے اس شیخ الکل رئیس القوم کی حالت کہ رات رات بیدار رہتا اور جی نہ گھبراتا ہم بھی طالب علم ہیں، ہم سے کوئی پوچھے کہ تمہارا کیا طریقہ ہے؟ تو ہم کیا کہیں گے؟ اور ہم سے کون کام ہو رہا ہے؟

ع کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

۸۔ ابن حزم ظاہری کے نام گرامی سے کون ناواقف ہے۔ آپ کے قریبی دادا سکان اندلسی تھے۔ لیکن آپ اور ان کی والدہ عزہ قرطبہ میں سکونت پذیر تھے اور کثرت معلومات میں اندلس میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ آپ کے بیٹے فضل لکھتے ہیں کہ آپ کی تالیف کی تعداد جو

فقہ اور حدیث میں اصول و تاریخ میں ادب و انساب میں خود میرے باپ کی اپنے قلم سے لکھی ہوئی ہیں وہ چار سو مجلدات ہیں جو اسی ہزار اوراق پر مشتمل ہیں۔ (دیکھو مقدمہ ملل ص ۳)

۹۔ اسی طرح امام محمد بن ادریس شافعی نے فرمایا کہ میں نے تیرہ برس کی عمر میں اپنے وطن مکہ معظمہ کو خیرباد کہا جب کہ سبزہ آغاز بھی نہ تھا۔ دو یمانی چادریں میرا لباس تھیں۔ میرا رخ امام مالکؒ کے شوق میں مدینہ کی طرف تھا۔ اتفاقاً ایک ہم صحبت شتربان نے اپنا اونٹ مجھے سواری کے لئے دے دیا میں رات کو بھی اور دن کو بھی قرآن مجید کا دورہ کیا کرتا تھا۔ سولہویں دن مدینہ کی آبادی میں داخل ہوا اور سولہ دورے بھی تلاوت قرآن کے ختم ہو چکے تھے۔ امام مالکؒ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، آپ روزانہ نماز صبح و تسبیح و ظائف کے بعد درس دینے بیٹھ جاتے روزانہ یہی معمول رہتا اور میں نے ساری موطا بر زبان یاد کرلی۔

امام مالک میرے حفظ و یادداشت سے بے حد خوش تھے اور فرماتے تھے۔ خدا نے تم پر اپنی نورانیت کا جلوہ ڈالا ہے اور تم ایک خاص شان و شوکت کے مالک ہو گے۔ امام شافعیؒ نے ناصر الحدیث و ناصر السُّنّۃ کا لقب پایا بکمال طلب و کمال محنت سے کتاب الأم لکھی جو پندرہ جلدوں میں تمام ہوئی۔ اس کے علاوہ تیرہ سو نیرہ کتابیں مزید لکھیں (تہذیب الاسماء واللغات جلد۱ ص ۷۴ و سفرنامہ شافعی ص ۱۱۲ مؤلفہ مولانا عبدالحلیم شررؔ)

یہ تھے وہ گرامی بزرگ جنہوں نے اپنے سفر میں بھی اپنا وقت ضائع نہیں فرمایا۔ کم از کم ختم قرآن کے دورے کرتے رہے اور جب منزل مقصود پر پہنچ گئے تو موطا بر زبان یاد کرلی۔

۱۰۔ امام مالکؒ کا واقعہ ہے کہ آپ نے اپنی کمسنی سے ہی طلب حدیث شروع کی۔ چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں آپ کا یہ مقولہ موجود ہے۔

كُنْتُ اٰتِيْ نَافِعاً وَّاَنَا غُلَامٌ حَدِيْثُ السِّنِّ وَمَعِيَ غُلَامٌ فَيَنْزِلُ فَيُحَدِّثُنِيْ

(تذکرہ جلد اول ص ۸۸)

فرماتے ہیں جب میں کمسن تھا تو حضرت نافع کی خدمت میں ایک غلام کے ساتھ حاضر ہوتا اور وہ مجھ سے حدیثیں بیان کرتے امام جو کچھ سنتے سب یاد کرلیتے۔ آپ کے کمال حفظ و اتقان کے سبب امام بخاریؒ کا فیصلہ ہے کہ سب سے صحیح سند مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمر کی ہے۔

(تہذیب الاسماء ص۶۷، جلد ثانی) شوقِ علم کا یہ حال تھا کہ جب تنگدستی نے دولتِ علم سے محروم کرنا چاہا تو چھت کی کڑیاں فروخت کر کے ضروریاتِ زندگی پوری کرتے تھے۔ شب کو قدرتی آسمانی قندیل کی روشنی میں علمی اشغال میں مصروف رہتے۔ انہیں جانفشانیوں کی مبارک فال یہ ہوتی کہ ۱۱۰ھ میں آپ کے اساتذہ نے مسندِ درس پر آپ کو بٹھا دیا۔ حالانکہ ابھی امام صاحب نے اپنی مقدس زندگی کے سترہ سال بھی پورے نہ کئے تھے۔

(امام مالکؒ صہ ۶ مؤلفہ سید سلیمان ندویؒ)

۱۱۔ اسی طرح امام غزالی کا واقعہ ہے کہ امام صاحب کے والد اپنی قلتِ مال سے مصارفِ تعلیم نہ برداشت کر سکتے تھے۔ اس لئے مجبوراً امام غزالی کو وطن چھوڑنا پڑا۔ تحصیلِ علم کے بعد جب وہاں سے وطن آ رہے تھے تو راستہ میں امام صاحب لٹ گئے۔ آپ نے قزاقوں کے افسر سے درخواست کی کہ میرے کتابی نوٹ فقط واپس کر دیئے جائیں۔ اس نے موقع پر واپس کرتے ہوئے طعنہ مارا جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ نے اپنے وطن پہنچ کر نوٹ زبانی یاد کرنے شروع کئے۔ یہاں تک کہ پورے تین برس صرف کر دیئے اور ان مسائل کے حافظ بن گئے اب تکمیلِ علم کے لئے وطن سے دوبارہ نکلے۔ آپ نیشاپور میں امام الحرمین عبدالمالک کی خدمت میں حاضر ہوتے اور نہایت جد و جہد سے علم کی تحصیل شروع کی۔ یہاں تک کہ اپنے تمام اقران میں ممتاز ہو گئے۔ امام الحرمین (امام غزالی کے استاذ) کہا کرتے تھے کہ غزالی دریائے زخار ہے آپ کے اس علم و فضل کا اثر یہ ہوا کہ مدرسہ نظامیہ (جس کا سالانہ خرچ چھ لاکھ اشرفیاں تھیں ایک اشرفی اس عہد کی پچیس روپیہ انگریزی کی ہم قیمت تھی) کی افسری کا فخر حاصل کیا۔ آپ کو مدرسہ نظامیہ بغداد میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ داخل کیا گیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۴ برس سے زائد نہ تھی، لیکن ابھی تشنگی تحقیق کی پوری نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے آپ نے استعفیٰ داخل کیا جو کسی طرح منظور نہ ہوا۔ آخر امام موصوف کا اصرار غالب آیا۔ چنانچہ وہاں سے نکل کر شام و دمشق پہنچے۔ پھر اس کے بعد مصر و اسکندریہ پہنچے، ایک شخص نے آپ کو بیابان میں دیکھا اس وقت ایک خرقہ بدن پر تھا اور ہاتھ میں پانی کی چھاگل تھی وہ ان کو چار سو شاگردوں کے حلقے میں دیکھ چکا تھا حیرت زدہ ہو کر پوچھا کہ کیا درس دینے سے یہ حالت بہتر ہے؟

امام صاحب نے اس کی طرف دیکھا اور یہ شعر پڑھا ؎

تَأَدَّتْ بِیَ الْاَشْوَاقُ مَهْلاً فَهٰذِهٖ
مَنَازِلُ مَنْ تَهْوِیْ رُوَیْدَكَ فَانْزِلِ

اسی مبارک سفر میں احیاء العلوم بھی تصنیف کی (دیکھو الغزالی مؤلفہ مولانا شبلی نعمانی ص۱۹ و ص۲۱) غور کیجئے۔ امام صاحب کو بیابان میں دیکھا۔ اس وقت طلباء کے جھرمٹ اور شاہی انتظامات کو ترک کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ بسوا اس کے کیا کہا جاتے کہ تحقیق حق اور انکشاف حقیقت کے شوق نے۔ آخر میں آپ دوبارہ شاہی حکم سے مدرسہ نظامیہ تشریف لے گئے۔

محنت کا ایک اور انداز

اب اس وقت ہم علمائے کرام کی محنت کے سلسلہ میں وہ واقعات لکھتے ہیں جن میں ان کے کسی ایک کتاب کے بار بار پڑھنے کا ذکر ہے۔

۱۔ مولانا عبدالحیؒ صاحبؒ لکھنوی "فوائد بہیہ" میں لکھتے ہیں کہ سید شریف نے (جو سید سند کے لقب سے نیز "میر" کے لقب سے بھی مشہور ہیں) "شرح مطالع" سولہ مرتبہ پڑھی۔ پھر اس کے بعد دل میں سوچا کہ خود شارح اور اصل مؤلف سے بھی پڑھ لینی چاہیئے تو چونکہ شارح ہرات میں رہتے تھے۔ اس لئے ہرات کی طرف چل پڑے۔ نوجوانی کا وقت تھا۔ شارح نے ان کو جواب دیا کہ تم جوان ہو اور میں بالکل کمزور بوڑھا ہو چکا ہوں۔ درس دینے پر قادر نہیں ہوں اس لئے اگر تمہیں شرح مطالع پڑھنے کا شوق ہے تو میرے ایک قابل شاگرد جس کا درس میرے طریقہ کے مطابق ہے اور جو آج کل مصر میں ہے۔ اس کے پاس میں ایک خط لکھ دوں اسے لے کر جاؤ۔ چنانچہ سید شریف وہاں سے مصر چلے گئے اور ان کے شاگرد شہیر مبارک شاہ کو استاذ کا خط دکھایا تو انہوں نے کہا کہ تمہیں صرف سماع کی اجازت ہے۔ پڑھنے کی باری نہیں دی جاتے گی۔ تمہارا مستقل درس نہیں ہوگا۔ تمہیں اثنائے سبق میں بولنے کی اجازت قطعی نہیں ہے سید موصوف نے ان شرطوں کو منظور کر لیا اور وہاں کئی دن بیکار رہے۔ جب مصر کے ایک رئیس کے لڑکے نے سبق شروع کیا تو سید شریف وہاں حاضر ہوتے اور سن کر واپس آجاتے

مبارک شاہ ایک رات خفیہ طور پر ٹہل رہے تھے کہ یکایک ایک حجرہ سے ان کو ایک آواز سنائی دی۔ غور سے سننے لگے تو سید شریف کی آواز تھی جو کہہ رہے تھے" استاذ نے یہ کہا، شارح نے یہ کہا، اور میں اس طرح کہتا ہوں۔ چونکہ آپ نے نکات حسنہ بیان کئے تھے اس لئے مبارک شاہ خوشی سے اچھل پڑے اور کہا ایسے شاگرد کو محروم نہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ کہا کہ تمہارے لئے اجازت قرآت بھی ہے اور بولنے کا بھی حق ہے اور جو چاہو سوال کرو، تمہیں اختیار ہے۔ (فوائد بہیہ صہ ۵۲)

۲۔ اسی طرح ایک واقعہ حکیم ابونصر فارابی کا ابن خلکان میں بھی ہے کہ ارسطو کی "کتاب النفس" کا ایک نسخہ کسی کے ہاتھ لگا۔ جس پر حکیم ابونصر فارابی کے قلم سے یہ لکھا ہوا تھا" إِنِّي قَرَأْتُ هٰذَا الْكِتَابَ مِائَةَ مَرَّةٍ "کہ میں نے اس کتاب کو سو مرتبہ پڑھا ہے (ابن خلکان جلد دوم صہ ۲)

جب تک بخوبی اور بکمال وضاحت مسائل سمجھ میں نہ آتے پڑھتے رہتے تا آنکہ مرتبہ علیا حاصل کر لیا۔

۳۔ شیخ بوعلی سینا کے متعلق یہ واقعہ مشہور ہے۔ اس کو شیخ نے خود بیان کیا ہے کہ ایام طالب علمی میں جب میں نے کتاب" مابعد الطبیعۃ" کو شروع کیا تو وہ مطلقاً میری سمجھ میں نہیں آئی اور نہ واضع فن کی کوئی غرض مفہوم ہوئی۔ انتہا یہ ہے کہ چالیس مرتبہ میں نے اس کا مطالعہ کیا۔ عبارت تو یرزبان ہو گئی، لیکن اب تک مدعا کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ اتفاقاً عصر کے وقت کتب فروشوں میں میرا گزر ہوا۔ وہ فن مابعد الطبیعۃ" فروخت کر رہا تھا۔ اس کے اصرار سے میں نے تین درہم سے خرید لیا۔ کتاب دیکھی تو ابونصر فارابی کی نکلی، مطالعہ میں مصروف ہوا۔ کتاب پہلے سے یاد تھی چونکہ اس میں ان مطالب کی تشریح کامل تھی۔ اس لئے سب مشکلیں آسان ہو گئیں۔

(عیون الانبا۔ ج ۲ صہ ۴)

شیخ کی نسبت اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ یہ رئیس القوم تھے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیسے بنے؟ غور کیجئے محنت کامل اور شوق وافر کے سوا وہاں اور کیا چیز تھی کہ کتاب حل نہیں ہوتی ہے۔ مگر بمصداق ؎

دست از طلب ندارم تا کار من بر آید
یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید

برابر کوشش و مطالعہ غور و فکر میں لگے رہے چالیس بار اسی کو پڑھتے رہے۔ تا آنکہ مراد کو پہنچ گئے۔

کمال علم کے اسباب

۱۔ مستعدی سے مطالعہ بھی کمال علم کا موجب ہے۔ مولانا حماد الدین رومی ایک رات طلبہ کے حجروں میں مخفی گشت کے لئے گئے تو دیکھا کہ دو طالب علم ہیں ایک تو تکیہ سے لگا ہوا مطالعہ کتب میں مصروف ہے۔ دوسرے کو دیکھا کہ دو زانو مستعد بیٹھا مطالعہ کتاب میں مصروف ہے اور کتاب میں مطالعہ پر موقع موقع سے کچھ لکھتا بھی جاتا ہے۔ استاد نے اول کی نسبت کہا اِنَّهٗ لَا یَبْلُغُ دَرَجَةَ الْفَضْلِ ۔ یہ بڑے درجے تک نہ پہنچے گا۔ دوسرے کی نسبت فرمایا۔ سَیُحَصِّلُ الْفَضْلَ وَیَکُوْنُ لَهٗ شَانٌ کہ یہ کمال اور بڑی شان کا ہوگا۔ استاد کی یہ پیش گوئی سچی ثابت ہوئی۔

(شقائق نعمانیہ جلد اول ص ۳۵ بحوالہ علمائے سلف للشروانی)

۲۔ مقدمہ ہدایہ میں مولوی عبدالحیٔ صاحب لکھنوی مرحوم لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ فرماتے تھے اَلْعِلْمُ شَیْئٌ لَا یُعْطِیْكَ بَعْضَهٗ حَتّٰی یُعْطِیَهٗ کُلَّكَ (مقدمہ ہدایہ ص ۸) یعنی علم وہ چیز ہے کہ تمہیں اپنا بعض بھی نہیں دیتی جب تک کہ تو اسے اپنا کل نہ دے۔ مطلب یہ کہ اے طالب علم تو علم کا ادنیٰ حصہ بھی حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ اس میں لگ کر اسی کا نہ ہو رہے۔ معلوم ہوا کمال علم کے لئے شب و روز کا علمی شغل بھی ایک قوی چیز ہے۔

۳۔ عالم کبیر ابو اسامہ عبداللہ بن مبارک کی نسبت کہا کرتے تھے:

مَا رَأَیْتُ اَطْلَبَ لِلْعِلْمِ مِنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ شعبہ بن حرب ہمیشہ کہا کرتے تھے۔ اِنِّیْ لَاَشْتَهِیْ مِنْ عُمْرِیْ کُلِّهٖ اَنْ اَکُوْنَ سَنَةً وَّاحِدَةً مِنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ فَمَا اَقْدِرُ اَنْ اَکُوْنَ وَلَا ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ۔ امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے۔ لَمْ یَکُنْ

فِی زَمَانِہٖ اَطْلَبَ لِلْعِلْمِ مِنْہُ" یعنی عبداللہ بن مبارک سے بڑھ کر ان کے زمانے میں علم کا شائق اور پوری تندہی کے ساتھ طلب کرنے والا اور کوئی نہ تھا۔ چنانچہ بعض علماء اس کی تمنا کیا کرتے تھے کہ میری ساری عمر کے بدلے مجھے ایک سال عبداللہ بن مبارک کا مل جاتے کہ یہی ایک سال میرے تمام سالوں کے لئے کافی ہے، لیکن افسوس مجھے تو ویسے تین دن بھی ملنے مشکل ہیں۔ (فوائد بہیہ صہ ۲۳ وصفۃ الصفوہ لابن الجوزیؒ)

ان کی محنت اور طلب علم میں بکثرت روایات موجود ہیں۔ بڑے بڑے علماء ان کی محنت کی تعریف میں لگے ہیں۔ سبحان اللہ! ایسی محنت کہ جس کے تین دن سالہا سال کی زندگی کے ہم معنی ہیں۔

۴۔ کمال علم کے لئے ضروری ہے کہ کبھی سبق کا ناغہ نہ ہو۔ مصنف ہدایہ علی بن ابوبکر تمام علماء کو خطاب کر کے فرما گئے ہیں۔ "یَنْبَغِیْ اَنْ لَّا یَکُوْنَ لِطَالِبِ الْعِلْمِ فَتْرَۃٌ فَاِنَّھَا اٰفَۃٌ"۔ طالب علم میں سستی و انقطاع اور سبق کا ناغہ ہوجانا بڑی آفت ہے، بلکہ صاف یہ بھی لکھ دیا کہ معلوم رہے کہ میں اپنے ہم سبق اور شرکائے درس سے اس لئے فائق ہوں کہ میرے تحصیل علم میں اول سے لے کر آخر تک سستی نہ آسکی۔ چنانچہ لکھا ہے۔ اِنَّمَا فُقْتُ شُرَکَائِیْ بِاَنْ لَّمْ تَقَعْ لِیَ الْفَتْرَۃُ فِی التَّحْصِیْلِ (دیکھو فوائد بہیہ صہ ۱۵۰) صاحب ہدایہ بوڑھے ہوگئے تو آپ اس حالت میں فرمایا کرتے تھے کہ کتنے بڑے شیوخ میرے وقت میں موجود تھے مگر افسوس اب میں ان کی خدمت نہیں کرسکتا اور نہ کچھ ان سے حاصل کرسکتا ہوں۔ وقت کی قدر و قیمت صاحب ہدایہ کے نزدیک یہ تھی کہ تصنیف ہدایہ کی پوری مدت تک آپ نے ہمیشہ روزہ رکھا اور اپنے وقت کی قدر کو کھانے پینے میں مشغول ہونے سے بچایا اور ثواب مستزاد برآں تھا۔ (اتحاف النبلاء)

۵۔ عمر بن محمد بن ابوحفص النسفی جن کی "غفائد" ہے اور جنہیں مفتی الثقلین کا لقب ملا، کیونکہ ان کے پاس علمائے جن بھی پڑھتے تھے اور نجم الدین بھی لقب تھا۔ اصولی، متکلم، نحوی ماہر فنون تھے، مگر پھر بھی طلب علم کے سلسلے میں دور دور تک جاتے رہے اور بے شمار اساتذہ سے درس حاصل فرماتے رہے۔

چنانچہ ایک دفعہ اسی خیال سے جاراللہ زمخشریؒ کے پاس آپ مکہ میں ملاقات کرنے کے لئے گئے۔ دروازہ پر پہنچ کر زنجیر کھٹکھٹائی۔ زمخشری نے اندر سے پوچھا۔ مَنْ هٰذا کون ہے؟ آپ نے کہا عمر، زمخشری نے کہا اِنْصَرِفْ آپ نے کہا عُمَرُ لَا یَنْصَرِفُ زمخشری نے کہا اِذَا نُکِّرَ صُرِفَ۔ ان دو جملوں کے اردو ترجمہ میں وہ لطافت باقی نہیں رہ سکتی جو اہل علم عربی دان کو خود عربی میں موجود ہے۔ اس واقعہ کو ملا علی قاری نے نقل کیا ہے۔ جس میں عمر النسفی نے جگہ جگہ زمخشری کو سیدی کہا ہے (بحوالہ فوائد البہیہ صہ ۶۰) معلوم ہوا کہ کمال علم کے لئے شد رحال بھی ضروری ہے۔

۶۔ خیالی مشہور کتاب ہے اور مصنف بھی خیالی کے نام سے مشہور ہیں۔ انھوں نے علامہ تفتازانی کی شرح عقائد پر حاشیہ لکھا ہے جو نہایت ہی نادر فوائد پر مشتمل ہے۔ عبارت میں ایجاز لغایت ہے۔ آج کل خیالی بصورت حاشیہ ہے، بلکہ مستقل کتاب ہے۔ غرض یہ ہے کہ اس کے مصنف کا نام احمد بن موسیٰ ہے اور شمس الدین لقب ہے۔ اسی اعلیٰ و نفیس تصنیف کی بدولت سلطان اعظم محمد خاں کے مدرسہ سلطانیہ کے مدرس تھے۔ جس وقت وزیر نے ان کے تقرر کی نسبت سلطان سے عرض کیا، تو سلطان نے ان لفظوں میں سوال کیا الیس ھوالذی کتب الحواشی علی شرح العقائد۔ یہ وہی ہیں نا؟ جنہوں نے شرح عقائد پر حاشیہ لکھا ہے؟ وزیر نے کہا ہاں۔ بادشاہ نے کہا اِنَّهٗ مُسْتَحِقٌّ بے شک وہ اس کے قابل ہیں۔ اس حاشیہ کی نسبت علماء میں یہ شعر مشہور ہے ؎

خیالات خیالی بس بلند است	نہ ایں جائے "قل احمد" نہ چند است
ولے عبدالحکیم از رائے عالی	بحل کردہ خیالات خیالی

علامہ خیالی علم و عبادت میں اس قدر کثیر الاشتغال تھے کہ دن و رات کے درمیان صرف ۲۴ گھنٹے میں ایک دفعہ معمولی خوراک کھا لیتے تھے۔ باقی تمام اوقات محض علم و عبادت و مطالعہ کے سلسلہ میں خرچ فرماتے تھے۔ اس قدر سخت محنت سے ان کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ لاغری کے باعث ان کے سبابہ اور ابہام (دو انگلیوں) کے حلقے میں ان کا ہاتھ بازو تک داخل ہو جاتا تھا (فوائد بہیہ صہ ۲۳)

یہ بھی ہمارے ان علماء کی قابل اتباع و لائق عمل محنت کہ جن کی قابلیت کی کوئی حد نہ تھی خیال اٹھا کر دیکھئے تو آپ کو ان کی جلالت شان کا پتہ چل جائے گا معلوم ہوا کمال کے لئے ضروری ہے کہ وقت کو ہر طرح بچا کر علمی کاموں میں مشغول رکھا جائے۔

۷۔ امام رازی کے احوال آپ کو معلوم ہیں۔ اتحاف النبلاء میں نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی لکھتے ہیں:۔

"مبدا اشتغالش بر پدر راست تا آنکہ بمرد بعدہ قصد سمعانی کرد و برو تے اشتغال نمود و لبوئے رے عود کردہ الخ"

پہلے تو زمانہ تک اپنے والد ماجدؒ کے پاس تعلیم حاصل کرتے رہے۔ جب والد ماجد کی وفات ہوگئی تو سمعانی رجسے تاج الاسلام کا لقب ملا ہے اور جس نے طلب علم میں مشرق و مغرب اور جنوب و شمال تمام شہروں کی خاک چھان ڈالی اور جس کے چار ہزار اساتذہ تھے۔ تعلیقات السنیہ صـ ۱۰) کے پاس گئے۔ وہاں مدتوں تک تعلیم حاصل کرتے رہے اور رے (وطن) میں آکر مسجد جیفے کے پاس پڑھنے لگے۔ علم کلام و حکمت کی بہت سی کتابیں پڑھیں اور امام الحرمین کی کتاب شامل (جو علم کلام میں ہے) از بر کر لی۔ پھر خوارزم گئے وہاں جا کر کمال مہارت کو پہنچے۔ اختلافی مسائل کی بناء پر شہر سے آپ کو نکالا گیا۔ ماوراء النہر پہنچے تو وہاں بھی یہی معاملہ ہوا۔ آخر رے چلے آئے۔ ایک صاحب ثروت طبیب تھا۔ اس نے اپنے دونوں بیٹوں کا نکاح امام رازی کی دونوں لڑکیوں سے کر دیا۔ اس کے اموال پر امام رازی نے قبضہ کیا۔" وسفرہا کرد" یعنی کافی مال آتے ہی آپ نے پھر وہی سفر دور دور تک کرنا شروع کر دیا۔ ابتداءً آپ کی ناقدری رہی۔ چنانچہ ایک دفعہ ہرات کے منبر پر آپ نے فرمایا ؎

اَلْمَرْءُ مَادَامَ حَيًّا يُسْتَهَانُ بِهٖ
وَيَعْظُمُ الْمَرْءُ حِيْنَ يَفْتَقِدُكَ

کچھ وطن اور کچھ سفروں کے سلسلے میں بڑی بڑی ضخیم کتابیں تصنیف فرمائیں۔ بعد میں ہر چہار جانب سے آپ کی قدر ہونے لگی، سلاطین و امراء خود ان کی مجلس میں آنے لگے اور جب آپ سوار ہو کر نکلتے تو تین تین سو طلباء آپ کو گھیرے رہتے (اتحاف النبلاء صـ ۲۷۹ و تعلیقات سنیہ صـ ۹۱)

اس سے جہاں ان کے طلب علم کی حالت معلوم ہوتی وہاں ان کے انتہائی شوق کا حال بھی کھل گیا کہ اِدھر تو والد ماجد کا انتقال ہوتا ہے۔ اور ادھر فوراً وطن کو خیرباد کہہ دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کمال علم کے لئے مایوس کن حالات کے باوجود مسلسل طلب ضروری ہے۔

اب سوچنا یہ ہے کہ کبھی ہم نے کہیں ایسے سفر کئے ہیں کبھی ہم نے بھی ایسی حالت میں خیرباد کہا ہے۔ جب کہ اپنے شفیق باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا ہو اور عیش و عشرت کے لئے دولت بھی حاصل ہو گئی ہو ؟

۸۔ شمس الائمہ سرخسی کا حال سنئے جن کی کتاب "المبسوط" پندرہ جلدوں میں اسم بامسمٰی ہے آپ خاقان کو ایک کلمۂ نصیحت کے باعث قید کر دیے جاتے ہیں۔ پہلے زمانے میں کنواں قیدیوں کے قید کرنے کے لئے ہی بنایا جاتا تھا۔ اسی میں آپ بھی مقید تھے۔ آپ کے تلامذہ کنوئیں کی بلندی پر اردگرد جمع ہو جاتے اور کنوئیں کے نچلے حصے سے آپ انہیں "سیر کبیر" کی شرح لکھاتے جاتے۔

عزیز طالبو! جو امام ایک دنیا کے لئے شمس الائمہ بنا آخر کیسے بنا ؟ تم نے خود دیکھ لیا۔ کہ آپ نے اپنے عزیز و اقارب کو حبس جُبّی میں بھی ضائع نہ فرمایا۔ سلسلۂ تعلیم واملاء برابر جاری رکھا۔ پس ہم و شما کا کیا شمار ہے جو اپنے تمام دن اور سارے اوقات غفلت و راحت سے کاٹنے کی فکر میں لگے ہیں۔ ہم کو آنسو ختم کر کے خون کے آنسو رونا چاہیے۔ شمس الائمہ اس قدر مشقت اور جانفشانی سے کام کرنے والے تھے کہ آپ کے حافظہ میں بارہ ہزار کراریس (مجموعے) محفوظ تھے۔ (فوائد بہیّہ ص ۶۵)

علمی ترقی کے بعض ادنیٰ اسباب

اب ہم اس سلسلہ میں وہ روایات بیان کرنی چاہتے ہیں جن سے اسلاف کی بیداری اور ان کے احساس عالی کے زندہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور جس سے یہ خوب معلوم ہوتا ہے کہ انہیں جاہل کا طعنہ حد درجہ ناگوار خاطر تھا۔ ان کا ایک جزئی مسئلہ میں غلطی کرنا اس امر کے لئے باعث ہوتا ہے کہ وہ ایک دفتر عظیم اس کی تحقیق میں چھوڑ گئے اور انکشاف حقیقت

کی خاطر سارا بیابان قبیلہ قبیلہ چھانتے پھرے اور یہی حال دورِ جاہلیت کا بھی تھا۔

۱۔ چنانچہ دیکھو وہ واقعہ امرء القیس کا جس میں امرء القیس بن حجر الکندی نے اپنی بیوی سے کہا تھا اُقْتُلِی السِّرَاجَ ۔ چراغ کو گُل کر۔ عورت نے یہ سن کر کہا وَاللّٰہِ اِنَّہٗ عَجَمِیٌّ ۔ یہ شخص عجمی ہے جو عرب کی زبان سے ناواقف ہے، کیونکہ عرب ایسے موقع پر بولا کرتے ہیں اِطْفِئِ السِّرَاجَ نہ کہ اُقْتُلِی السِّرَاجَ جو کہ خلاف استعمال و محاورہ ہے (دیکھو یہ واقعہ حاشیہ کافیہ صہ ۲۹ شرح جامی صہ ۱۰۴) آخر یہی امرء القیس اس عورت کو ایک وجہ سے طلاق دے کر بیابان نوردی پر آمادہ ہوجاتا ہے اور اہلِ عرب کے تمام قبیلوں کی بولیوں کو ان کے محاورہ اور بدوؤں کے استعمال کے طریقوں کو ضبط کرتا ہے اور سالہا سال اسی تحقیق میں لگ جاتا ہے۔ آخر ایک جگہ ایک قبیلہ کی بولی اس موقع پر وہی نکلی جو امرء القیس نے چراغ بجھانے کے لئے اپنی شب عروسی میں کہا تھا اور جس سے عورت چراغ پا ہوگئی تھی۔ یہ امرء القیس کندی وہی تھا جو اپنی معشوقہ عنیزہ کا ذکر اپنے قصیدہ میں کرتا ہے جو قصیدہ کہ سبعہ معلقہ میں بہتر قصیدہ مانا گیا ہے (علامہ زوزنی شارح سبعہ معلقہ نے شروع ہی میں اس واقعہ کو نقل فرمایا ہے۔)

۲۔ امام نحو سیبویہ کا واقعہ ہے کہ طالب علمی کے دور میں جب کہ حدیث پڑھا کرتے تھے۔ نحو سے اس وقت چنداں مناسب نہ تھی۔ ایک روز ان کے استاد حماد بن سلمہ نے کسی حدیث کی روایت میں الفاظ لیس ابا الدرداء املا کرتے سیبویہ نے ان کو ادا کرتے ہوئے اور طلباء کے سامنے ابو الدرداء کہا۔ شیخ نے کہا غلط لفظ نہ بتاؤ لیس ابا الدرداء ہے۔ اس گرفت سے سیبویہ کو ندامت ہوئی اور دل میں سوچا کہ میں وہ علم کیوں نہ سیکھوں جو ایسی غلطی سے بچا سکے۔ چنانچہ انہوں نے نحو سیکھی اور ایسی جانفشانی اور آمادگی سے سیکھی کہ "سیبویہ" جیسی نامی اور ضخیم مجلد کتاب لکھ دی۔ (علمائے سلف صہ ۲۲)

۳۔ فن ادب کے مشہور امام کسائی ایک مجلس میں گئے۔ چونکہ بہت تھکے ہوئے تھے۔ اس لئے کہا عَیَّیْتُ (بالتشدید) اہل مجلس نے ٹوکا کہ تم غلط لفظ استعمال کر رہے ہو۔ صحیح عَیَیْتُ (بالتخفیف) ہے ان کے دل پر ایسی چوٹ لگی کہ اس فن کے سیکھنے کا تہیہ کرلیا۔ چنانچہ خلیل بصری کی خدمت میں گئے۔ اور پھر وہاں سے بنی تمیم و بنی اسد کے قبیلوں میں پھرے۔ یہاں تک کہ

امام فن تسلیم کئے گئے۔ (علمائے سلف مؤلفہ مولانا حبیب الرحمٰن شروانی)
یہ روایت نفحۃ الیمن میں بھی ہے۔ اسی طرح وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے جس میں امام غزالیؒ کو قزاقوں نے طعنہ دیا تھا اور آپ نے پھر اس طعنہ سے متاثر ہو کر پورے تین سال اس کے لئے وقف کر دیئے تا آنکہ آپ حافظ ہو گئے (الغزالی مؤلفہ شبلی)

ان روایات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلاف کی حمیت بے حد حساس واقع ہوئی ہے جس کو جوش میں لانے کے لئے ادنیٰ تحریک کافی تھی اور ہزارہا علامہ دہر فاضل روزگار ایسے بھی ہیں کہ جنہیں کوئی اس کی طرف رغبت دلانے والا تک نہ تھا، بلکہ بعض کو ماں باپ کی طرف سے سخت رکاوٹیں بھی تھیں۔ جیسے امام ابو یوسف وغیرہ (دیکھئے مقدمہ ہدایہ) مگر پھر بھی اس تعلیم کو اس درجہ کمال تک پہنچایا کہ ان کا نام نامی سب کی زبان پر عزت وادب سے آج تک ہے۔
ہمارے علمائے سلف کی ایک ایک جزئی مسئلہ میں تحقیقات کی کوئی حد نہ تھی۔ سن کر عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اپنی حالت پر باوجود کم مائگی کے غفلت دیکھ کر سخت افسوس ہوتا ہے، بلکہ خیال گزرتا ہے کہ علم آہستہ آہستہ اٹھتا جاتا ہے جیسا کہ ایک حدیث کا بھی مضمون یہی ہے کہ "علم اٹھالیا جائے گا۔ علماء کے اٹھا لینے کے ساتھ" یہی معاملہ آج ہے اور حدیث نبویؐ کی پوری تصدیق ہو رہی ہے۔

کسب ومحنت کے چند اہم واقعات

۱۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ اپنے ایک استاد کی نسبت جن کا نام محمد بن سلیمان محی الدین الکافیجی ہے۔ ان لفظوں میں ذکر کرتے ہیں کہ ہمارے شیخ محمد بن سلیمان کافیجی علامۃ الوقت استاذ الدنیا معقولات، ہیئت وکلام کے امام اور فقہ، نحو وغیرہ علوم کے شیخ الکل تھے۔ ان کی اس قدر تالیفات ہیں کہ میں نے ان سے ایک دن کہا کہ آپ اپنی تالیفات لکھا دیجئے، تو فرمایا لا اقدر علیٰ ذالک میں اپنے اس استاذ کے پاس پورے چودہ سال رہا اور روزانہ وہ نئی نئی تحقیقات ونکات معلوم ہوتی رہیں جو اس سے پہلے میں نے کہیں نہیں سنی تھی۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ مجھ سے پوچھا اعراب زید قائم ماذا۔ زید قائم کا اعراب کیا ہے؟ تو میں نے کہا ہم

آپ کے سامنے بچے ہیں۔ ہم سے کیا پوچھتے ہیں۔ کہا سنو! اس میں ایک سو تیرہ بحثیں ہیں۔ میں سن کر حیران ہو گیا اور میں نے کہا لا اقوم من المجلس حتی استفید ھا میں بغیر سب معلوم کیے ہرگز نہیں اٹھ سکتا۔ (فوائد بہیہ للعلامہ عبدالحی ص ۶۸)

یہ خوب یاد رہے کہ دنیا میں جس نے کسی فن میں بھی کمال حاصل کیا۔ اس کی تہہ میں صرف محنت نظر آئے گی۔ ورنہ وہ بھی ماں ہی کی آغوش میں پل کر جوان ہوئے تھے اور انہوں نے ہماری طرح ماں کا دودھ بھی پیا تھا۔ زمین پر وہ بھی چلتے تھے، سب سے بڑھ کر یہ کہ بالکل ہماری طرح کالے یا گورے انسان ہی تھے۔

ہاں بہت سے ہماری ہی طرح سخت غریب تھے، مگر ہاں دولت کے لحاظ سے غریب تھے اور محنت اور کسب علم کی بدولت دنیا کے امام، وقت کے استاذ، دین کے فخر، اسلام کے حجت، ملت کے نجم، شریعت کے صدر، حرمین کے امام، علوم کے سمندر ہو کر گزرے اور ہاں وہ ہوتے کہ جن کو دیکھ کر انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ جس وقت عبداللہ بن مبارک کا گزر خلیفہ ہارون رشید کی خلافت میں ہوتا ہے اور اردگرد ہزار ہا آدمیوں کا مجمع دکھائی دیتا ہے اور ایک عجیب شور خروش آمد بد و ہنگامۂ مرحبا بپا ہو جاتا ہے، تو ہارون رشید کے حرم سرا میں خاتون زبیدہ اس مجمع کی حالت کو دیکھ کر پوچھتی ہے یہ کیا ہے؟ اس کو جواب ملتا ہے کہ خراسان کے ایک بڑے عالم کا استقبال کیا جا رہا ہے وہ سن کر بولی کہ واللہ یہ سلطنت دراصل دل کی سلطنت ہے اور اصل طور پر سلطنت صرف اسے کہتے ہیں۔ ہارون کی سلطنت کوئی سلطنت نہیں ہے جس کا دارومدار ہتھیاروں اور صرف فوج ولشکر کی طاقت پر ہے۔ (اتحاف النبلاء ص ۲۷۲)

۲۔ خواجہ حافظ شیرازی کی کیا حالت تھی؟ سنئے! خواجہ صاحب کے والد کا نام بہاؤالدین تھا۔ باپ نے جب انتقال کیا تو بدانتظامی سے باپ کی کمائی سب اڑ گئی۔ آپ کے اور بھائی پریشان ہو کر ادھر اُدھر نکل گئے، لیکن خواجہ صاحب کم سنی کی وجہ سے شیراز ہی میں رہے گھر میں فاقے ہونے لگے۔ خواجہ صاحب نے خمیر بنانے کا پیشہ اختیار کیا۔ آدھی رات سے اٹھ کر صبح تک گوندھتے گھر کے پاس ایک مکتب تھا محلے کے لڑکے اس میں پڑھتے تھے۔ خواجہ صاحب

اکثر ادھر سے نکلتے تو دل میں تعلیم کی رغبت پیدا ہوئی۔ رفتہ رفتہ شوق اس قدر بڑھا کہ مکتب میں داخل ہوگئے۔ خمیر سے جو حاصل ہوتا ایک تہائی اس میں سے ماں کو ایک تہائی معلم کو بقیہ خیرات کر دیتے۔ مکتب میں قرآن مجید حفظ کیا اور معمولی ابتدائی کتابیں پڑھیں آہستہ آہستہ محنت و شوق کی بدولت آپ کے علم و فضل کا چرچا دور دور تک پہنچا آخر میں علم تصوف کی طرف مائل ہوئے اور خواجہ کے نام سے ملقب ہوئے۔ آپ کا یہ شعر مشہور ہے ؎

بہ مے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید

کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ و رسم منزلہا

(حیات حافظ مولفہ شبلیؒ)

۳۔ حکیم عمر خیّام کا زمانہ بھی غربت کا تھا۔ چنانچہ ان کے باپ عثمان نامی نے شروع میں کچھ خرچ دیا۔ پھر اس کے بعد تنگ دستی سے مجبور ہو گئے آخر ان کے ہونہار لڑکے عمر خیام) جو اپنی ذکاوت و سلامتی طبیعت کے لحاظ سے بہت مشہور تھے۔ وطن سے نکلے اور تمام دنیاوی علائق سے یکسو ہو کر دارالعلوم نیشاپور میں شیخ الاساتذہ امام موفق کے حلقۂ درس میں شریک ہو گئے۔ پھر تحصیل علوم سے فراغت پا کر وطن میں فنون مروجہ کی مزید تحقیقات شروع کی اور فن ہیئت کے بہت بڑے ماہر ہو گئے۔ خیام کو آج دنیا صرف شاعر کی حیثیت سے جانتی ہے ورنہ وہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے بہت بڑے ماہر تھے۔

پھر اس محنت کی بدولت سلطان سنجر کے پہلو میں شہ نشینی کا لُطف بھی حاصل فرماتے رہے۔

ایک دفعہ وزیر عبدالرزاق اور حجۃ الاسلام غزالیؒ کے مابین قرآت کے ایک ما بہ النزاع مسئلہ میں عمر خیّام حکم بن چکے ہیں۔ آپ نے اس موقع پر قرآت سبعہ اور شواذ پر وہ مدلل تقریر کی۔ علامہ غزالیؒ پھڑک اٹھے۔ قاضی عبدالرشید کہتے ہیں میں نے عمر خیام سے "معوذتین کے معنی" اور تکرار لفظ کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے جواب میں مفسرین کے اقوال اور دلائل و شواہد اس تفصیل و تشریح سے بیان کئے کہ اگر قلم بند کئے جائیں تو ضخیم کتاب تیار ہو۔ شوق مطالعہ اس درجہ تھا کہ ایک بار اصفہان میں ایک کتاب نظر سے گزری تو سات مرتبہ پے در پے اس کا مطالعہ کیا۔

پھر نیشاپور آکر اس کو زبانی لکھوا دی۔ امام غزالیؒ نے ایک مرتبہ حکیم عمر خیام سے اجزاء فلکیہ کی نسبت پوچھا کہ جب یہ مسلم ہے کہ تمام اجزاء آسمان باہم حقیقت میں متحد ہیں تو کیا وجہ ہے کہ بعض اجزاء قطبین قرار پاتے ؟ جواب دیا میں اس کو اپنی کتاب "عرائس النفائس" میں مفصل طور پر لکھ چکا ہوں۔ بالآخر امام غزالیؒ کی خواہش سے اس بحث کو ابتدائی مراتب سے چھیڑا اور آغاز اس مسئلہ سے کیا کہ "حرکت کس مقولہ سے ہے"۔ اور اس کو اتنی وسعت دی کہ یہ مسئلہ پورا نہ ہوا اور ظہر کی اذان ہوگئی"۔ منجمین اس کو اپنا استاذ تسلیم کر چکے ہیں۔ ایک دفعہ جب منجمین کی جماعت اور مجہول الحال فال گو کے درمیان ساعت کے اثرات میں اختلاف واقع ہوا اور شاہ ملک سلجوقی نے سختی سے باز پرس کی تو اس وقت انہوں نے دست بستہ عرض کیا کہ ہماری اس میں غلطی نہیں ہے۔ اگر رائے عالی ہو تو خواجہ امام عمر خیام سے بھی دریافت فرما لیجئے۔

وفات سے روز وہ شیخ کی کتاب شفاء دیکھ رہے تھے۔ دیکھتے دیکھتے جب "وحدت و کثرت" کی بحث پر پہنچے تو کتاب میں خلال رکھ کر بند کر دی اور وقت نماز کا ہو گیا تھا۔ جا کر نماز پڑھی دن کو کچھ نہ کھایا اور اسی رات کو بعد از نمازِ عشاء انتقال ہو گیا۔ مرنے سے پہلے کہا مولیٰ! تیری معرفت بقدر امکان میں نے حاصل کی۔ اب معاف رکھیو ؟

ان کی عربی میں بھی بہت رُباعیات ہیں۔ انا نجملہ ایک رُباعی فوائد بہیہ ص ۲۷ میں بھی ہے اور یہ حالات "سوانح عمر خیام" نامی کتاب میں ہیں۔

۴۔ آیئے اب شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی بھی طلب و کوشش کا حال خود ان کی دونوں شہرۂ آفاق کتاب گلستان، بوستان سے معلوم کریں۔ آپ گلستان میں لکھتے ہیں ؎

مانصیحت بجائے خود کردیم

روزگارے دریں بسر بردیم

ترجمہ: ہم نے ازراہ خیر خواہی یہ کتاب لکھی کہ جس میں ہم نے ایک زمانہ صرف کر دیا۔ (گلستان ص ۱۴۵)

بوستان میں آپ لکھتے ہیں ؎

در اقصائے عالم بگشتم بسے
بسر بردم ایام با ہر کسے
تمتّع زہر گوشۂ یافتم   زہر خرمنے خوشۂ یافتم

ترجمہ: میں نے دنیا کے چپے چپے، گوشہ گوشہ کا سفر کیا ہے اور بہتوں سے میرا سابقہ پڑا ہے۔ ہر کھلیان سے مجھے پھل اور ہر جگہ سے نفع حاصل ہوا۔"

آپ کے حالات حیات سعدی، مؤلفہ شبلیؒ و مؤلفہ مولانا حالی میں مفصل طور پر موجود ہیں اور آپ کے حالات اور آپ کے اشعار کے مرتبہ و قدر کے سلسلہ میں میں نے ایک الگ مضمون لکھا ہے۔

شیخ سعدی اپنے اس شعر کے صحیح مصداق ہیں ؎

شاعراں بسیار گفتند شعر ہائے پر نمک
کس نگفتہ ہمچو شعر من ع د ی

جامع العلوم

علمائے سلف میں متعدد علوم و فنون کے حاصل کرنے والے بھی تھے اور "ہر فن مولا" سے مشہور ہوئے۔ اس بارے میں ان کے چند اشعار یہ ہیں ؎

احرص علیٰ کل علم تبلغ الاملا
ولا تموتن بعلم واحد کسلا
النحل لما رعت من کل فاکھۃ
ابدت لنا الجوھرین الشمع والعسلا
الشمع فی اللیل ضوء یستضاء بہ
والعسل یبری باذن الباری العللا

یعنی ہر علم حاصل کرو، سستی سے ایک ہی علم پر کفایت نہ کرو۔ دیکھو شہد کی مکھی ہر پھول کو چوستی ہے تو اس کے اسی استفادہ سے عجیب شہد تیار ہوتا ہے جو شفاء مرض ہے اور اسی کا چوسا ہوا فضلہ موم بن کر رات کو روشنی کرتا ہے۔

۱۔ سراج الدین سکاکی نحو وصرف ومعانی وبیان وعروض وغیرہ میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے اور ”بارہ علوم“ کے آپ فاضل روزگار تھے، جوکہ ان کی کتاب ”مفتاح العلوم“ سے ظاہر ہوتا ہے، لیکن بایں ہمہ کمالات آپ فن ”تسخیر وطلسمات“ وغیرہ کے بھی عالم تھے۔ چنانچہ ایک روز ”سلطان چغتائی خاں“ کے پاس آپ بیٹھے ہوتے تھے۔ چند چڑیوں کا ادھر سے گزر ہوا۔ چغتائی خاں نے ان کا شکار کرنا چاہا اور کمان وتیر ہاتھ میں اٹھایا۔ سکاکی نے پوچھا کہ ان میں سے کس کا شکار کروگے۔ پس اس نے تین چڑیوں کی طرف اشارہ کر دیا اس کے بعد سکاکی نے ایک مدّور خط کھینچا اور کچھ پڑھا اور وہی تین مخصوص چڑیے گر پڑے۔ اس کے بعد چغتائی خاں کا اعتقاد بہت بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ سکاکی کو تخت شاہی پر بٹھا دیتا اور خود باادب ایک طرف ہو جاتا (فوائد بہیہ ص ۹۷)

یہ تھا ہمارے ان بزرگوں کا جاہ وجلال، جوانہی علوم وفنون کی خاطر اپنے آپ کو مٹا چکے تھے۔ اسی لئے مثل فرمان شیخ سعدیؒ کا وہ کاسہ چینی ہوتے اور ہم جو سال بسال درجنوں سینکڑوں تیار ہو رہے ہیں۔ اس مٹی کے پیالے کی طرح ہوتے جو روزانہ لاتعداد بنتے ہیں اور پیسے کے کئی کئی ملتے ہیں۔

۲۔ قاضی زادہ۔ ان کی کم عمری ہیں ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ علم کا اتنا شوق رکھتے تھے کہ کچھ دن بعد انہوں نے بلادعجم جانے کا پختہ ارادہ کر لیا اور اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کو اس کی اطلاع نہ دی، لیکن ان کی بہن کو یہ حال معلوم ہو گیا۔ تو اس نیک اطوار بہن نے اس کا افشاء نہ کیا اور ان کی کتابوں میں اپنے زیوروں میں سے قیمتی زیورات رکھ دیئے تاکہ دیارِ غربت میں ان کے کام آسکیں۔ چنانچہ یہ خراسان پہنچے۔ وہاں پڑھ کر ماوراء النہر پہنچے۔ لوگوں نے انہیں قاضی زادہ کا لقب دیا۔ پھر وہاں سے سمرقند پہنچے اور سمرقند کے ملک اعظم الغ بیگ نے ہیئت کی بہت سی کتابیں پڑھیں اور آخر میں الغ بیگ نے سمرقند میں ایک رصد تیار کرایا اس کے مہتمم قاضی زادہ تھے جس کا ذکر تصریح میں بھی ہے۔ (تعلیقات سنیہ ص ۷۹)

غرض جس علم میں آپ دیکھیں گے تو آپ کے اسلاف اس میں یگانہ نظر آئیں گے۔

۳۔ علم لغت میں بڑے بڑے علماء گزرے، صاحب قاموس کے نامِ نامی وذاتِ گرامی

سے کون ناواقف ہے۔ آپ نے تمام درس گاہوں اور دار العلوم کا سفر آٹھ برس سے شروع کیا۔ شیراز پہنچے۔ پھر عراق پھر واسطؔ پھر بغدادؔ پھر قاہرہ پہنچے اور شام و روم اور ہندوستان اور بلادِ شرق وغیرہ تمام ممالک کا چکر لگایا۔ بڑے بڑے فضلاء سے تعلیم حاصل کی اور تمام معاصرین پر سبقت لے گئے یمن کے بادشاہ اشرف اسمٰعیل نے ان کی بے اندازہ قدر کی۔ ہزار ہا اشرفیاں ان کی آمد پر خرچ کرتا۔ تیمور لنگ و شاہ مصر و سلطان بایزید خان آپ کی بڑی قدر و منزلت کرتے۔ آپ نے اپنی کتاب میں ساٹھ ہزار لغت سے مادے جمع کئے کیوں نہ ہو ان کے نزدیک تو طلب علم واجبات و فرائض میں سے تھا۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے :-

حِفظُ اللُّغَاتِ علینا فَرضٌ کحفظ الصَّلٰوۃِ
فَلَیسَ یُحفَظُ دِینٌ الّا بِحفظِ اللغاتِ

(دیکھو قاموس جلد ثالث کا مقدمہ صہ ۳)

غرض علیٰ سبیل الاختصار علماء و محدثین و مفسرین وادبا مناطقہ و فلاسفہ و شعراء وغیرہم کے حالات ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ اب اس موقع پر ہم بزرگوں کے وہ زریں اقوال نقل کر دینا چاہتے ہیں جو آداب علم سے تعلق رکھتے ہیں۔

آدابِ علم

طالب علم اور علم شناس حضرات اسے غور سے پڑھیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں۔ طالب علم کی نیت[۱] کا صحیح ہونا، استاد کا ایک[۲] ایک حرف کمال توجہ سے سننا۔ اس کے بعد خوب[۳] غور و خوض سے مضامین کا دل میں اتارنا اور اس سے بعد[۴] اس کا محفوظ کر لینا۔ اس کے اپنے شاگردوں میں اس کا پھیلانا۔[۵] آگے لکھتے ہیں ہر یکے ازیں شروط پنجگانہ یکے فوت کرد در علم او نقصان پدید آید"۔ (دیکھو اتحاف صہ ۲۷۴)

ششم دینّدار[۶] ہونا، جھوٹ کبھی نہ بولنا، گناہ اور بدی کے قریب نہ جانا۔ کیونکہ علماء نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ سے انسان سیّ الحفظ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے ؎

شَکَوْتُ اِلٰی وَکِیْعٍ سُوْءَ حِفْظِیْ
فَاَوْصَانِیْ اِلٰی تَرْکِ الْمَعَاصِیْ

(فوائد البهیہ صہ ۹۲)

استاذ کو کبھی آزار نہ پہنچانا۔ ہفتم اپنے عمل اپنی زبان اپنے اعضاء کے حرکات وسکنات کسی طرح سے استاذ کو رنجیدہ نہ کرنا۔ حتیٰ کہ استاد سے کسی بات میں "کیوں" بھی نہ کہنا اشد ضروری ہے۔ ایسا طالب بے ادب اور بے نصیب رہے گا مقولہ مشہور ہے "با ادب بانصیب" چنانچہ تعلیم المتعلم میں ایک باب ہے۔ "فصل رعایۃ الاستاذ" اس میں مصنف کتاب برہان الاسلام زرنوجی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ شمس الائمہ حلوانی کسی ضرورت سے بخارا سے نکل کر بعض دیہات میں گئے ہوئے تھے۔ آپ کے تمام تلامذہ نے آپ سے آکر ملاقات کی مگر قاضی ابوبکر نہ آسکے، تو جس وقت ان سے شمس الائمہ کی ملاقات ہوئی۔ پوچھا "تم کیوں نہ آئے؟"

کہا میں والدہ ماجدہ کی خدمت میں مشغول تھا اس لئے نہ آسکا۔

تو فرمایا دیکھ "عمر تجھے بہت دی جائے گی، مگر درس کی رونق سے ہمیشہ محروم رہے گا۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا ان کو کبھی درس دینے کا اتفاق نہ ہوا۔ صرف اتنا ثبوت ملتا ہے کہ ان کے بیٹے نے البتہ تعلیم حاصل کی تھی۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے :۔

من تاذی منہ استاذہ یحرکم برکۃ العلم

کہ وہ طالب علم جس سے اس کا استاذ تکلیف اٹھاتا ہے اور کسی وجہ سے استاد اس کو پڑھاتا ہے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ میں قابل ہو جاؤں گا خوب سمجھ لے کہ علم کی برکت اور علم کے انتفاع دونوں اسے حاصل نہ ہو سکیں گے۔

یہ کتاب[ع] نہایت عمدہ مصر میں چھپی ہے۔ طلباء کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ وہ آداب سے واقف ہوں۔ نخبۃ الفکر میں حافظ ابن حجرؒ نے ایسی اور کتابوں کا حوالہ دیا ہے جس میں شیخ وسامع کے آداب بیان کئے گئے ہیں خطیب بغدادیؒ نے اس بارہ میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اس

ع یعنی تعلیم المتعلم ۱۲ ۔ ۔

کا نام الجامع فی بیان آداب الراوی و اخلاق السامع ہے۔ علامہ ابن عبدالبر قرطبیؒ نے جامع بیان العلم میں اس مبحث کو مفصل لکھا ہے۔

اسی طرح خزینۃ الاسرار میں ہے:۔

مَنْ قَالَ لِاُسْتَاذِہٖ لِمَ فَهُوَ لَا يُفْلِحُ اَبَدًا۔

جس نے اپنے استاد سے کہا "کیوں" وہ سن لے کہ فلاح و بھلائی اسے حاصل نہیں ہو سکتی (دیکھو خزینۃ الاسرار فی مجالس الابرار صہ ۵۴۷)

امام طاؤس یمنیؒ فرماتے ہیں:۔

من السنة ان یوقر العالم لقوله صلی الله علیه وسلم لیس منا من لم یوقر کبیرنا ولا شک انه بمنزلة الوالد واجلاله من اجلال العلم (فتح المغیث صہ ۳۲۴)

یعنی عالم دین کی توقیر و تعظیم سنتِ نبویؐ سے ثابت ہے بلکہ عالم بمنزلہ والد کے ہے اس کی تعظیم خود علم کی تعظیم ہے۔

ایک بزرگ نے تعظیم استاذ کے سلسلے میں لکھا کہ جب تمہارے کوئی استاذ تمہارے یہاں آئیں تو ان کے ہاتھ کو بوسہ دو اور اونچی اور معزز جگہ پر ان کو بٹھاؤ اور تمیز و ادب سے پیش آؤ اور ان کی ضروریات کو معلوم کرو اور حتی الامکان چھوٹی بڑی ہر ضرورت کو پورا کر دو۔ (فتح المغیث صہ ۳۲۴)

الفاظ یہ ہیں:۔

اذا قدم علیک خُذْ بِرِکَابِہٖ وقَبِّلْ یَدَہٗ وَوَقِّرْ مجلسه وَاقْضِ حَوَائِجَهٗ كُلَّهَا جَلِيْلَهَا وَحَقِيْرَهَا (فتح المغیث صہ ۳۲۴)

ایک تازہ واقعہ سنئے:

• سلطان محمد خان پادری" اپنے رسالہ" میں مسیحی کیوں ہوا؟" میں ضمنی طور پہ ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ "میں ابتداء ہی سے تحقیق کی طلب میں تھا۔ چنانچہ میں برابر انجیل وغیرہ کا مطالعہ کرتا رہا۔ اس وقت میں مدرسہ فتح پوری میں پڑھتا تھا۔ ایک رات میرے کابلی استاذ ٹہلتے

ٹہلتے میرے حجرے میں آتے اور فارسی زبان میں کہا "ترسم کہ عیسائی نہ شوی"۔ میں نے فارسی ہی میں جواب دیا کہ آپ ایسا کیوں کہتے ہیں۔ میری طرف ایسی نسبت آپ نہ کیجئے"۔
(دیکھو رسالہ مذکور صہ ۹)

لیکن آج آپ آنکھیں کھول کر دیکھ لیں کہ اس تجربہ کار استاد کا مقولہ حرف بحرف صادق ہوا کیونکہ وہ عیسائی ہو گئے۔

اب میرے عزیز طالبو! آپ کو کیا کرنا چاہیئے؟ اپنے اساتذہ سے کیا برتاؤ، کیا حسنِ سلوک اور ان کے ساتھ کس طرح خوش خلقی و انکساری سے ملنا چاہیئے؟ اس کو اپنے دل سے پوچھ لو اور دل میں سمجھ لو کہ اساتذہ کا ادب واجبات سے ہے، اگر آپ خدمت کریں گے، ادب و مروت و عمدگی سے اساتذہ کا لحاظ رکھیں گے تو یہ اساتذہ خود آرزو کریں گے کہ یہ شاگرد قابل و ہونہار ہو جاتے اساتذہ کی ہر نیک تمنّا کا اثر لازمی ہو گا۔ انشاء اللہ! سچ ہے۔

ع ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

دیکھئے اور غور کیجئے ہمارے وہ علمائے کرام جنہیں زمانے نے شمس الائمہ۔ فخر الاسلام تاج الاسلام۔ صدر الاسلام، شیخ الاسلام۔ حجۃ الاسلام، امام الائمہ۔ شرف الائمہ، صدر الشریعہ سیّد سند، سیّد شریف، فخر الدین، جلال الدین، رکن الدین، بدر الدین، امام الحرمین، مفتی الثقلین، بحر العلوم وغیرہ وغیرہ وہ باعزت القاب جو انہیں معدودے چند القاب میں منحصر نہیں ہیں، بلکہ بقول شاعر ؎

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست
بسیار شیوہ ہا است بتاں را کہ نام نیست

لاتعداد اور بیروں از شمار ہیں آخر انہیں یہ عزت القاب کیونکر حاصل ہو گئے؟ کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ انہوں نے استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کے بعد کبھی کسی بے ادبی یا بدتمیزی کا مظاہرہ کیا ہے۔ حاشا وکلا ان کی بابت روشنی ڈالنے کے لئے کتب تواریخ کافی ہیں۔ انہوں نے اپنے اساتذہ کی جو خدمات انجام دی ہیں۔ استاذ کو جس جس علمی دنیا

کا بادشاہ اعظم تسلیم کیا ہے آج اس کی نظیر ملنی ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ ہم آج ان آداب سے خالی ہیں۔ اسی لئے وہ برکات بھی اب ہماری تعلیم پر مرتب نہیں ہوتیں۔ کیا پرسچ ہے ؎

در چمن از کہ مراعات ادب داری چشم
بلبلاں مست صبا بے خود و گل بے پروا

پس میرے عزیز طالب علم بھائیو! استاذ کا ادب اور شرائط مذکورہ کی پابندی سے اگر آپ کام لیں گے تو صحیح معنوں میں اپنے زمانہ کے استاذ ادیب، منطقی، فلسفی، مہندس، شیخ التفسیر، شیخ الحدیث آپ بھی تسلیم کئے جا سکتے ہیں۔

اسلاف پر علم و فضل ختم نہیں ہے

یہ ہرگز خیال نہ کرنا چاہیئے کہ اب پہلے جیسے لوگ نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ یہ کوئی نبوت نہ تھی جو منقطع ہو گئی اور جس کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ ابھی خدا کے بندوں پر کتنے دور آئیں گے اور کتنے علامہ و ہر فاضل روزگار و یکتائے زماں گزریں گے۔ انشاء اللہ

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سارا دارومدار طلب و کوشش پر ہے۔ سلف نے ہماری ایک ایک کتاب کو بار بار پڑھا اور پھر اس میں کامل محنت کی۔ اس لئے وہ کامل ہوتے ہم بھی محنت کریں تو ہم بھی وہی ہو سکتے ہیں۔ فرمایا۔ نَحْنُ رِجَالٌ وَهُمْ رِجَالٌ وہ اور ہم دونوں ہی آدمی ہیں۔ تمہیں وہ بھی یاد کرنا چاہیے جو کہ احمد بن سلیمان ادیب کامل تبلا گئے ہیں ؎

وانی وان کنت الاخیر زمانہ
لاٰتٍ بما لم تستطعہ الاوائل

" اگرچہ میں اسلاف سے پیچھے ہوں، لیکن زمانہ کے تقدم و تاخر کا کوئی لحاظ نہیں، میں وہ کام بھی لکھ سکتا ہوں جسے پہلے لوگوں نے چھوڑ دیا ہے۔"

شیخ ابو العباس صاحب مبرد کامل اپنی کتاب میں لکھتے ہیں ؎

لَيْسَ بِقِدَمِ الْعَهْدِ يُفَضَّلُ الْقَائِلُ
وَلَا لِحَدَاثَتِهِ يُهْتَضَمُ الْمُصِيْبُ

یعنی سابق زمانہ میں ہونے سے نہ اس کو فضیلت مل جاتی ہے اور نہ نئے دور کا عالم صحیح بات کہنے کے بعد حقیر ہے، ہر شخص خواہ کسی زمانہ کا ہو بقدر استحقاق مرتبہ پاتا ہے۔ اسی طرح صاحبِ قاموس خود اپنے لئے لکھتے ہیں کہ میں اسے لکھ کر کوئی فخر نہیں کرنا چاہتا صرف شاعر کے اس قول کا اظہار ہے جو اس نے کہا ہے۔ ؏

کَمْ تَرَكَ الْاَوَّلُ لِلْاٰخِرِ

سلف نے خلف کے لئے بہت کچھ ذخیرہ چھوڑ دیا ہے۔ یہ نہیں کہ اسلاف پر سب ختم ہو گیا۔ اسی طرح مقدمہ قاموس کی ایک عبارت اس موقع کے لئے خوب چسپاں ہے۔

بَلْ زَعَمَ الشَّامِتُوْنَ بِالْعِلْمِ وَطُلَّابِهٖ اَنَّ الزَّمَانَ بِمِثْلِهِمْ
لَا يَجُوْدُ وَاَنَّ وَقْتًا قَدْ مَضٰى بِهِمْ لَا يَعُوْدُ۔

ترجمہ: علم اور اس کے طالب کی رنجیدہ حالت پر خوشیاں منانے والے سمجھ رہے ہیں کہ زمانہ اب ویسے عالم پیدا نہیں کر سکتا اور جیسا کہ علم و فضل کا دور پہلے تھا۔ ویسا اب نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ یہ محض ان کا زعم باطل ہے۔ (قاموس جلد اوّل صہ ۵)

وہ فوائد اور معلومات جن کی بناء پر ہم ان کے جاننے والے کو بحر العلوم وغیرہ کہتے ہیں آخر وہ کیسے اور کیونکر؟ جواب آسان ہے کہ "محض محنت کی بدولت"

کیا خوب کسی نے کہا ہے ؎

نیند کہتی ہے بہت جاگ چکا سو بھی جا
کامرانی کا ہے اصرار کہ آرام نہ کر

محنت کا پھل

مولانا رومی اپنی مثنوی میں لکھتے ہیں ؎

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ
خاک شو تا سبزہ روید رنگ رنگ

" بہار کے دنوں میں بھی پتھر کبھی سرسبز نہیں ہوتے تو اے عزیز! راہ محبوب میں خاک ہو جا کہ رنگا رنگ پھول تیرے وجود کی پھلواری میں کھل جائیں "

ایک شاعر نے خوب لکھا ہے ؎

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیئے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

آیئے ہم آپ کو امام غزالیؒ کا تجربہ بھی سنا دیں۔ فرماتے ہیں ؎

بقدر الکد تکتسب المعالی
وَمَنْ طَلَبَ الْعُلیٰ سَہِرَ اللَّیَالِیْ

یعنی بلندی و مراتب محنت و مشقت کے اعتبار سے ملتے ہیں اور شب بیداری میں بسر کرنے والے ہی بلند مراتب کے حامل ہوتے ہیں۔

مولانا حالیؒ کیا خوب لکھتے ہیں ؎

محنت ہی کے پھل ہیں ہر اِک خرمن میں
محنت ہی کا عمل ہے ہر اک دامن میں

پس سوچئے کہ فارابی، بو علی، رازی، سکاکی، سعدی وغیرہ علمائے سلف جن کا ذکر خیر آج تک ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ ان کو یہ مراتب عالیہ کیونکر حاصل ہوتے؟ آخر ان کے باپ بھی تھے، بھائی بھی تھے، مگر دنیا آج ان سے کیوں ناواقف ہے؟ اور صرف انہیں بزرگوں کو کیوں جانتی ہے؟ آپ خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ محنت ہی کی بدولت زندہ ہیں۔ ورنہ آدمی ہونے میں ان کے باپ اور بھائی برابر تھے۔

پس محنت علمی کے بغیر عزت و سعادت دارین ناممکن ہے۔ کیا سچ ہے ؎

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

محنت محنت محنت محنت